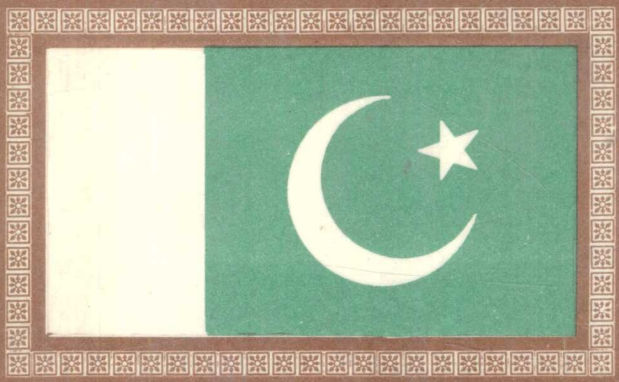

www.kitabosunnat.com

جمہوریت

پاکستان میں

ڈاکٹر وحید عشرت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

جمہوریت پاکستان میں

ڈاکٹر حمید عشرت

www.KitaboSunnat.com

یونیورسل بکس
۴۰۔اے، اردو بازار، لاہور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق محفوظ

۱۹۸۷

یونیورسل بکس

۴۰۔اے اُردو بازار، لاہور

طابع : گنج شکر پرنٹرز، لاہور

قیمت : ۳۰/- روپے

المکتبۃ الرحمانیۃ
۹۹۔۔۔ ج ماڈل ٹاؤن ۔ لاہور
نمبر 2188

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انتساب

پاکستان کے محب وطن عوام کے نام جنہوں نے
حضرت علامہ اقبال اور حضرت قائداعظم کی جمہوری
قیادت میں انگریز اور ہندو کو شکست دے کر
پاکستان قائم کیا اور جنہوں نے ہر مارشل لاء کے
بالمقابل ہمیشہ جمہوری قوتوں کا ساتھ دیا۔ اور جو
پاکستان اور جمہوریت کے دشمنوں کو آئندہ بھی
شکست فاش دیں گے۔

وحید عشرت

محکم دلائل وَ براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فتنۂ ملت بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

(حکیم الامت علامہ اقبال)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر وحید عشرت

پیدائش:

۱۱ فروری ۱۹۴۴ء - نارووال، ضلع سیالکوٹ۔

تعلیم:

ایم۔ اے (فلسفہ)، پی۔ ایچ۔ ڈی (فلسفہ) شعبۂ فلسفہ، جامعہ پنجاب، لاہور

تحقیقی کام:

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کا عمرانی فلسفہ، ابنِ سینا کا تصورِ ہستی، ترجمہ تشکیلِ جدید الٰہیات اسلامیہ (زیرِ تکمیل)۔

اہم مقالات:

معتزلہ (منہاج، لاہور)، اشاعرہ (اقبال ریویو جنوری ۸۵ء)، اقبال اور جمہوریت (اقبالیات جنوری ۸۶ء)، فکرِ اسلامی کی تشکیلِ نو (اقبالیات)، اقبال کا عمرانی فلسفہ (قومی زبان، کراچی)، ژاں پال سارتر (معاصر (۲))، فلسفہ کیا ہے؟ (فلاسفیکل ریویو)، دنیائے اسلام میں جدید فلسفیانہ رجحانات (فلسفہ جدید کے خدوخال)۔

کُتب:

پاکستانی ثقافت کی تشکیل، اقبال کا نظریۂ پاکستان، اقبال ۸۴ء، فلسفہ کیا ہے؟، جمہوریت پاکستان میں، نظریہ اور ادب۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہم اساتذہ:

پروفیسر خواجہ غلام صادق (مرحوم)، ڈاکٹر سی۔ اے قادر، ڈاکٹر عبدالخالق، پروفیسر کرامت حسین جعفری (مرحوم)، پروفیسر نعیم احمد، پروفیسر میرزا ریاض (مرحوم)، پروفیسر شاہد حسین، ظہور عالم شہید، نصیر انور (مرحوم)، اور مولانا امین احسن اصلاحی۔

مُدیر:

اقبالیات، اقبال ریویو۔ اقبال اکادمی پاکستان۔ روزنامہ نوائے وقت، لاہور اور مختلف اخبارات و رسائل میں مُدیرانہ فرائض کا تجربہ۔

موجودہ حیثیت:

اسسٹنٹ ڈائریکٹر (اکیڈمک) اقبال اکادمی پاکستان۔

زیرِ تحقیق منصوبے:

تاریخِ فلسفہ (پہلی جلد پر کام جاری ہے)، اقبال نئے تناظر میں، تاریخ کا پنڈولم۔

لیکچرز:

پنجاب یونیورسٹی لاہور	پاکستانی ثقافت کی تشکیل	۱۹۷۵ء
پنجاب یونیورسٹی لاہور	علامہ اقبال کا نظریۂ پاکستان	۱۹۷۶ء
سندھ یونیورسٹی، جام شورو حیدر آباد	اقبال اور اسلام میں اصولِ حرکت	۱۹۷۷ء
قائداعظم یونیورسٹی، اسلام آباد	عبداللطیف بھٹائی کے کلام میں پاکستانی تشخص کی تلاش	۱۹۷۹ء
اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور	اسلام کا تصورِ ریاست	۱۹۸۰ء
پنجاب یونیورسٹی، لاہور	پاکستانی فلسفے کی تشکیلِ نو	۱۹۸۱ء

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پنجاب یونیورسٹی لاہور۔	تاریخی مادیت، تین باطل دعوے	۱۹۸۲ء
ذکریا یونیورسٹی، ملتان	ژاں پال سارتر	۱۹۸۳ء
پشاور یونیورسٹی، پشاور	آزادی اور ذمہ داری	۱۹۸۴ء
یونیورسٹی کالج، کوٹلی آزاد کشمیر	اقبال کا اصل کارنامہ	۱۹۸۴ء
ایف۔سی کالج، لاہور	اقبال۔ مبلّغِ اسلام	۱۹۸۵ء
اسلامک فلسفہ ایسوسی ایشن پرل کانٹی نینٹل، لاہور (جہانِ خصوصی)	اقبال اور جمہوریت	۱۹۸۶ء
بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ	فلسفے کی نئی تنقید	۱۹۸۷ء

پتہ: ۴۹۲۔ ایم بلاک، ماڈل ٹاؤن (توسیعی سکیم)
لاہور۔ فون: ۸۵۸۸۴۶

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حرفِ آغاز

رواں صدی میں جن مثبت تصورات کو سب سے زیادہ پذیرائی ہوئی ان میں جمہوریت کا تصور سب سے نمایاں ہے۔ جدید جمہوری تصورات نے نوعِ انسانی کے بہتر اور شاندار مستقبل کے لیے کلید کا کام انجام دیا ہے جس سے قوموں کے حق خود ارادیت کے تصور کی نمو ہوئی اور فرد کی رائے کو احترام اور وقار ملا۔ اس سے تقویت پاکر محکوم اقوام نے مغربی استعمار کے خلاف اپنی جدوجہد منظم کی اور اپنی آزادی کی منزل پائی تاہم ابھی ان اقوام اور ان کے رکن افراد کو اپنے اوپر مسلط بالادست طبقات کی آفاقی سے نجات حاصل کرنا ہے اور اپنے حق خود ارادیت کی اساس پر اپنے معاشروں کی جمہوری خطوط پر تشکیل کرنی ہے اس لیے کہ جب تک وہ اپنے سماجی نظاموں کی تشکیل اپنے حق خود ارادیت اور اس کے نتیجے میں وجود پذیر ہونے والے جمہوری اصولوں کی روشنی میں نہیں کرتے ان کی حقیقی آزادی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ آخر نوعِ انسانی کو اپنے معاملاتِ زندگی ان کی اپنی خواہش اور تصورات کے مطابق چلانے کی اجازت کیوں نہ ملنی چاہیے۔ انسانوں کو خارجی جبر سے نجات دلا کر ان کے اپنے فکر و شعور کو ان کے ذاتی اور اجتماعی حالات و مسائل کے حل کی اساس کیوں نہ تسلیم کیا جائے۔ ہر فرد اور قوم کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے نظریہ اور آدرش کی روشنی میں اپنی انفرادی اور اجتماعی ہیت کی تشکیل کرے۔ یہ وہ بنیادی تصور ہے جو جمہوریت کو اساس فراہم کرتا ہے۔

برصغیر میں ان ہی جمہوری تصورات کے فروغ و ارتقا سے پاکستان کو تعبیر ملی۔ برطانوی ہند میں جدید دستوری اصلاحات کے نتیجے میں مسلمان جو اکثریت میں تھے بالکل اقلیت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں منتقل ہو گئے دوسری طرف ایک فرد ایک ووٹ کے اصول کے تحت ہر ہندوستانی کو ووٹ کا حق دے دیا گیا۔ ان دو اقدامات کے نتیجے میں یہ صورت حال بنتی تھی کہ برصغیر میں انگریزی چھتری کے تحت ہندوؤں کی حکومتیں تشکیل پاتیں اور مسلمان اقلیت میں ہونے کی وجہ سے ان کی محکومی میں دے دیے جاتے اور جب یہ نظام استحکام پکڑ جاتا اور انگریز برصغیر سے رخصت ہو جاتا تو خود بخود ہندو بلا شرکت غیرے برصغیر پر حکمران ہو جاتا اور مسلمان خود کو ان کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا پاتا۔ تاریخ کے اس کڑے اور اہم مرحلے میں مسلمان رہنماؤں علامہ اقبال اور قائد اعظم نے بالخصوص ان کے مستقبل کو غلامی سے بچانے کے لیے مطالبہ پاکستان کا قدم اٹھایا۔ اگر برصغیر میں انگریز اپنی یہ دستوری اصلاحات نافذ نہ کرتے اور وہ برصغیر کو محض حکمرانی کرنے کے بعد چھوڑ جاتے۔ تو شاید پاکستان کے مطالبہ کی مسلمان ضرورت محسوس نہ کرتے اور نہیں معلوم کہ پھر برصغیر اور خود مسلمانوں کا مقدر کس طور پر تشکیل پاتا۔ عام مسلمانوں کی یہ خواہش تھی کہ انگریز نے مسلمانوں سے حکومت چھینی ہے لہٰذا مسلمانوں کو اقتدار واپس کیا جانا چاہیے مگر ان اصلاحات کے بعد اس کی عملی صورت طے کرنا کسی صورت بھی ممکن نہیں تھا۔ مسلمان علماء جو کانگرس کے ٹوڈی بنے رہے۔ ان کا تو ذکر کرنا مقصود نہیں کیونکہ ان کے ہاں اخلاص کی بجائے پاکستان کی مخالفت کے پیچھے کانگرس سے مفادات، وظیفے، چندے اور مطبخ کے اخراجات کارفرما تھے اور وہ قوم اور اوطان کی اصطلاحوں اور بکھیڑوں سے ذہنوں کو الجھا کر مسلمانوں کا مقدر کانگرس کی گود میں ڈالنا چاہتے تھے مگر جو لوگ اخلاص سے پاکستان کے مخالف تھے ان کے پیش نظر یہ تھا کہ انگریزوں نے مسلمانوں سے برصغیر کا اقتدار چھینا ہے لہٰذا وہ مسلمانوں کو اقتدار لوٹائیں۔ وہ ان جمہوری اور دستوری اصلاحات کا تصور نہ کر سکے جس کے تحت برصغیر کا مقدر خود بخود تشکیل پا رہا تھا اور جس کے تحت پاکستان کا مطالبہ ایک ناگزیر حقیقت بنتا جا رہا تھا۔ جماعت مستثنیٰ کے طور پر ہی سہی مگر یہ ایک بدقسمتی کی بات ہے کہ کانگرس کے مطالبہ ہندو راج کی پشاور سے لے کر چٹاگانگ، کشمیر سے راس کماری اور آسام سے کراچی تک ایک بھی ہندو نے مخالفت نہیں کی اور تمام ہندو جس میں مختلف اقلیتیں اور جاتیاں (ذاتیں) شامل تھیں بیک زبان ہندوؤں کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہندو نشاۃ ثانیہ کے منصوبہ کے ساتھ تھیں مگر ہمارے ہاں بڑے بڑے سیاسین علما اپنے تمام تر جبہ و دستار اور علمی پشتاروں سمیت، مسلمانوں کی ملی تحریک پاکستان کے بیک زبان پشت بان بننے کے بجائے چھوٹے چھوٹے ذاتی مفادات، اپنی جھوٹی اناؤں کی نمائش اور اپنی جدید تصورات سے لاعلمی کے باعث اسلام کے نام پر بننے والی ریاست کی مخالفت نہ صرف کہ دبے لفظوں سے کرتے رہے بلکہ اس کے خلاف اپنے قول و قلم سے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر زہر اگلتے رہے اور قائدین پاکستان کے خلاف بزعم خویش جہاد فرماتے رہے۔ اور اپنے نامہ ہائے اعمال مسلمانوں کے اجتماعی مفادات کی مخالفت سے سیاہ کرتے رہے یہ جدید علوم و فنون سے بے بہرہ اور اسلام کے مقاصد اور اس کی ہیت اجتماعیہ سے ناواقف اسلامی مدرسوں کے ماسٹر تارا سنگھ کی طرز کے سکول ماسٹر تھے جنہیں ہندوؤں نے اپنے ذاتی مقاصد کے لیے تاشس کے پتوں یا شطرنج کے مہروں کی طرح استعمال کیا۔ اور انہیں مسلمانوں کے سیاسی قائدین کے طور پر استعمال کیا حالانکہ وہ قیادت کی ابجد تک سے ناواقف تھے مگر خوشی کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے اجتماعی شعور نے انہیں بیک زبان مسترد کر کے پاکستان کے قیام کا تاریخی کارنامہ سرانجام دیا اور اپنے وجود اور بقاء کے خلاف کی جانے والی ہر سازش کا پردہ چاک کر دیا۔ بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ اب انہیں کانگرس کے لے پالکوں کو آزادی کے ہیرو بنا کر پیش کیا جا رہا ہے اور ان کے اس کردار کو چھپایا جا رہا ہے جس سے مسلمانوں کے اجتماعی مفادات کو ٹھیس پہنچی۔ کانگرس کے یہ تمام شو بوائے اور پاکستان کی مخالفت کرنے والا ہر وہ شخص خواہ وہ غفار خان یا جی ایم سید یا ابوالکلام آزاد ہو یا برصغیر میں مسلمانوں کے وجود کے خلاف ہندو کی سازش میں شریک عالم دین ہو وہ غدار ہے اور وہ آزادی کی تحریک کا ہیرو نہیں بلکہ ہندو کی شطرنج کا مہرہ رہا ہے اور وہ ہر پاکستانی کا دشمن ہے۔ یہ بھی غلط ہے کہ انہوں نے اپنے نظریات سے رجوع کر لیا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کی مخالفت کا سانپ اب بھی ان کے اندر کنڈلی مارے بیٹھا ہے چنانچہ وہ مختلف حیلوں بہانوں سے علامہ اقبال اور قائد اعظم کے خلاف بدزبانی کرتے رہتے ہیں کبھی وہ اپنے متشرع چہروں اور لٹھنوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے اوپر پاجاموں کو اپنی ڈھال بناتے ہیں اور کبھی قائداعظم اور علامہ اقبال کی انگریزی وضع قطع کو ان کی اسلام فہمی میں کمی کے جواز میں لاتے ہیں حالانکہ ظواہرات کے ڈسے ہوتے ان لوگوں کو یہ حقیقت نظر نہیں آتی کہ مسلمانوں کے برصغیر میں اجتماعی وجود کو سنبھالنے اور ایک نظریاتی اسلامی ریاست کی تشکیل کے لیے پاکستان کی سرزمین کا حاصل کرنا ان دو حضرات کا ایسا کارنامہ ہے کہ ان پر ان کے تمام علم اور جبہ و دستار قربان کیے جا سکتے ہیں اور انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہم پاکستانی اپنے وجود کے خلاف ہونے والی ماضی کی ہر کوشش کی طرح اب بھی ہر سازش کو نیست و نابود کر دیں گے اور پاکستان کی بقا کے لیے مسلمانوں کے وجود کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنہ کو پوری قوت سے کچل دیں گے خواہ وہ مذہبی فرقہ واریت یا تعصبات کے حوالے سے ابھرے خواہ وہ لسانی تعصبات کے تحت پروان چڑھانے کی کوشش کی جائے اور خواہ اس کے پیچھے اشتراکی گماشتوں کے معاشی نعرے ہوں۔ ہم سازشیوں کے چہرے اب بھی پہچانتے ہیں اور ان کو کچلتے اور مسلتے رہنا ہی ہمارے وجود کی بقا کا تقاضا ہے۔

پاکستان جس کی اساس جدید جمہوری تصورات پر اٹھی تھی اس کی بقا بھی ان ہی جدید جمہوری تصورات کے احیاء و ارتقا پر ہے۔ پاکستان کو نظریاتی طور پر ایک اسلامی، فلاحی اور جمہوری ریاست بنا کر ہی ترقی کی منزل پر رواں دواں کیا جا سکتا ہے۔ علامہ اقبال اور قائداعظم نے شروع ہی سے اسلام کی نظریاتی و روحانی جمہوریت کو اس ملک کا مقدر قرار دیا تھا چنانچہ قرارداد مقاصد میں اسلامیانِ پاکستان کی جدوجہد سے یہ قرارداد آئین کی اساس قرار دی گئی کہ

> چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلاشرکت غیرے حاکم مطلق ہے اور اسی نے جمہور کی وساطت سے مملکت پاکستان کے اختیار حکمرانی اپنی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کے لیے نیابتاً عطا فرمایا ہے اور یہ اختیار حکمرانی ایک مقدس امانت ہے اور چونکہ بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے یہ اعلان کیا تھا کہ پاکستان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک ایسی جمہوری مملکت ہوگی جس کی اساس اسلام کے معاشرتی انصاف کے اصول ہوں گے لہذا جمہور پاکستان کی نمائندہ اس مجلس نے آزاد و خود مختار مملکت پاکستان کے لیے ایک ایسا دستور بنانے کا فیصلہ کیا ہے جس کی رو سے مملکت بمد حقوق و اختیارات حکمرانی جمہور کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعے سے استعمال کرے۔ جس میں اصول جمہوریت و حریت و مساوات و رواداری اور عدل حکمرانی کو، جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے جس کی رو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات اور مقتضیات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنت رسولؐ میں متعین ہیں۔ ترتیب دے سکیں جس کی رو سے اس امر کا قرار واقعی انتظام کیا جائے کہ اقلیتیں آزادی سے اپنے مذہبوں پر عقیدہ رکھ سکیں اور ان پر عمل کر سکیں اور اپنی ثقافتوں کو ترقی دے سکیں۔ جس کی رو سے وہ علاقے جو اب پاکستان میں داخل ہیں یا شامل ہو گئے ہیں اور ایسے دیگر علاقے جو آئندہ پاکستان میں داخل یا شامل ہو جائیں گے۔ ایک وفاقیہ بنائیں جس کے اجزا مقررکردہ حدود دار العمر میں متعینہ اختیارات کے تحت خود مختار ہوں جس کی رو سے بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے اور ان حقوق میں قانون و اخلاق عامہ کے تحت مساوات حیثیت و مواقع، قانون کی نظر میں برابری، عمرانی، اقتصادی اور سیاسی عدل، خیال، اظہار عقیدہ، دین، عبادت اور ارتباط کی آزادی شامل ہو، جس کی رو سے اقلیتوں اور پس ماندہ و پست طبقوں کے جائز حقوق کے تحفظ کا قرار واقعی انتظام کیا جائے جس کی رو سے نظام عدل کی آزادی کامل طور پر محفوظ ہو۔ جس کی رو سے وفاقیہ کے علاقوں کی صیانت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی آزادی اور اس کے جملہ حقوق کا، جن میں اس کے بحر و بر اور فضا پر سیادت کے حقوق شامل ہیں تحفظ کیا جائے تاکہ اہل پاکستان فلاح و خوش حالی کی زندگی بسر کر سکیں اور اقوام عالم کی صف میں اپنا جائز اور ممتاز مقام حاصل کر سکیں اور امن عالم کے قیام اور بنی نوع انسان کی ترقی و بہبودی میں کما حقہٗ اضافہ کر سکیں۔"

پاکستان کے آئین کا یہ حصہ جو قرارداد مقاصد پاکستان میں شامل ہے ملک میں قرآن و سنت کی حکمرانی اور اصول حکمرانی کی اساس کے طور پر ایک ایسی جمہوریت کو پیش کرتا ہے جس میں اقتدار اعلیٰ خدا اور اس کے رسولؐ کی امانت کے طور پر تمام پاکستانیوں کا حق متصور کیا گیا ہے لہذا جو شخص اس ملک میں آمریت کی حمایت کرتا ہے اور جمہوریت کی مخالفت کرتا ہے وہ پاکستان کی اس قرارداد مقاصد سے بغاوت کرتا ہے۔ ہر پاکستانی کا فرض ہے کہ وہ اس قرارداد کے تحت یہاں سیاسی ہیت کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کرے اور بے لگام حکمرانوں کو پاکستان کے عوام کے مقدر سے کھیلنے کی اجازت نہ دے۔ اس قرارداد کی حفاظت اور اس کے تحت ہیت اجتماعیہ کی تشکیل اور جمہوریت کا احیاء پاکستانیوں کے مسائل کی کلید ہے۔

پاکستان جو اس وقت بیرونی خطرات میں گھرا ہوا ہے اس وقت طاقت ور اور مستحکم ملک بن سکتا ہے جب یہاں مبنی بر انصاف ایک ایسا جمہوری معاشرہ تشکیل دیا جائے جہاں ہر فرد اپنے لیے معاشی عدل، روزگار بالانصاف، تعلیم، علاج، رہائش اور اپنے عقیدہ و مسلک کے تحت زندگی گزارنے کا ایک خوشگوار ماحول پا سکے گا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ملک کے تمام علاقوں اور صوبوں کو پُرامن جمہوری جدوجہد کے ذریعے معاشرے کو جمہوری قالب میں ڈھالنے کے لیے اپنی مشترکہ مساعی بروئے کار لانی چاہیے۔ پاکستانیوں کو سب سے پہلے یہ یقین کرنا چاہیے کہ پاکستان ان کے لیے مرکز قوت اور ان کی بقا کا مسند ہے اور اس کی مخالفت کرنے والا پاکستانیوں کا دشمن اور پاکستان مخالف قوتوں کا ایجنٹ ہے اور وہ ملک کا غدار ہے اور اسے نابود کرنا ہر پاکستانی کا فرض ہے۔ دوسرے پاکستانیوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گو ریاست اور حکومت میں تمیز روا رکھنی چاہیے۔ عوام کے حقوق کے غاصب حکمران یا برسر اقتدار طبقہ یا برسر آور وہ طبقات ہیں پاکستان نہیں۔ حکومت اگر غلط کام کرتی ہے تو اس کو حکومت کا غلط کام ہی تصور کیا جائے گا حکومت کی مخالفت کو پاکستان کی مخالفت میں بدلنے والا ایک شاطرانہ ذہنیت رکھنے والا بد دیانت اور پاکستان کا دشمن سیاست دان ہے عوام کو اس کے چہرے کا نقاب بھی نوچ لینا چاہیے۔ اگر حکومت ملک کے مفادات کے خلاف کام کرتی ہے یا عوام کے حقوق غصب کرتی ہے تو اس حکومت کو تبدیل ہونا چاہیے ملک کے خلاف کچھ کہنا خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ وہ لوگ جو پاکستان کی مخالفت یا اس کے کسی صوبے کے حقوق کے غصب کی بات کرتے ہوتے تان ملک کے ٹوٹ جانے پر توڑتے ہیں ان کے ماضی کے کردار کو اور ان کے نعروں میں چھپے ہوتے مکروہ عزائم کو بھانپنا چاہیے ہر شخص اور ہر صوبے کو اپنے حقوق کی جنگ لڑنے اور اپنے لیے زیادہ سے زیادہ حق طلب کرنے کا حق حاصل ہے مگر وہ ملک کے وجود کی قیمت پر اگر ایسا کرتا ہے تو اس بدی کو پوری قوت سے دبانا چاہیے وہ دراصل عوام کے اندر نفاق بو رہا ہوتا ہے اور عوام کے حقوق کے پردے میں اس کے سامنے اور مقاصد ہوتے ہیں اور ایسا شخص خود اپنے صوبے اور عوام کا بھی دشمن ہے۔ جو شخص پاکستان توڑنے اور ہندوؤں کی دریوزہ گری کی بات کرتا ہے وہ ہندو کا ایجنٹ ہے وہ دراصل مسلمانوں کا مقدر ہندو کی جھولی میں ڈالنا چاہتا ہے اور کانگرس اور گاندھی کے فلسفے کی جگالی کرتے ہوتے ہندو کی نشاۃ ثانیہ کے خواب کی تکمیل چاہتا ہے۔ پاکستان کے عوام نے ان کے ان مکروہ عزائم کو ماضی میں بھی شکست دی اور ان شاء اللہ ان کے مکروہ چہروں کو وہ آئندہ بھی نوچتے رہیں گے۔

پاکستان کو مستحکم کرنے اور مبنی بر انصاف جمہوری اور اسلامی معاشرہ قائم کرنے کے لیے سچے پاکستانیوں پر بھی کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں جن کی ادائی سے پاکستان کے دشمنوں کی قوت ٹوٹے گی اور پاکستان کے جاں نثاروں کے عزائم اور حوصلے تقویت پکڑیں گے وہ فرائض یہ ہیں کہ وہ سب سے قبل ہر اس کوشش اور اقدام کی پوری قوت اور جرأت سے مخالفت کریں۔ جو پاکستان میں آمریت کے قیام کی راہ ہموار کرے آمریت کی طرف بڑھنے والا ہر قدم پاکستان کے مقصد سے دور لے جانے والا ہے اور ہر پاکستانی کا بنیادی فرض ہے کہ وہ ملک میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیاسی اور جمہوری عمل کو رواں دواں اور ہموار کرنے کے لیے جمہوری قوتوں کا ساتھ دے۔ اور حکومت کو مجبور کرے کہ وہ جمہوریت کے آپے سے کبھی باہر نہ نکلے۔ ہر پاکستانی ایسے جلسے جلوس، نعروں اور سیاسی جماعتوں سے دور رہے جو ملک میں ہلڑ بازی یا طاقت کے مظاہرے سے جمہوری عمل کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کرنا چاہتی ہوں اور ہر اس سیاسی پارٹی کا ساتھ دے جو پاکستان میں جمہوری عمل کے فروغ اور اقتدار کی پُرامن منتقلی اور انتخابات کے ذریعے حکومت کی تبدیلی کی خواہاں ہو اور پاکستان کے اساسی نظریے پر غیر متزلزل یقین رکھتی ہو اس سلسلے میں ہم چند تجاویز پیش کرتے ہیں جو پاکستان میں جمہوریت کے فروغ کے لیے بنیاد فراہم کرنے میں مددگار ثابت ہوں گی۔

۱۔ سب سے پہلی بات یہی ہے کہ ملک میں ایسے سیاسی اداروں کو مستحکم کیا جائے جو جمہوریت کے فروغ اور بقاء کے لیے لازم ہوں۔ عوام کے بنیادی حقوق جو بحال ہو چکے ہیں ان کی حفاظت کی جائے۔ عدلیہ، الیکشن کمیشن، پولیس اور فوج جمہوریت کی حفاظت کرے جمہوری قدروں کا پاس کرے اور عوام میں تحفظ کا احساس پیدا کرے۔

۲۔ ملک میں سیاسی جماعتوں کو کام کرنے کا موقع دیا جائے۔ پاکستان کی سالمیت، بقاء اور استحکام پر متفق سیاسی جماعتوں کو لوگوں سے رابطہ قائم کرنے، اپنا اپنا منشور پیش کرنے اور رکن بنانے کی آزادی ہو تاہم پاکستان مخالف جماعتوں پر پابندی عائد کر دی جائے۔ اور انہیں عوام سے رابطہ کی اجازت نہ دی جائے اور نہ ہی انہیں الیکشن میں حصہ لینے اور تنظیم سازی کا موقع دیا جائے یہ خیال غلط ہے کہ الیکشن ان پارٹیوں کو مسترد کر دے گا انہیں قائم کرنے کی ہی اجازت نہ ہو۔ محب وطن پارٹیوں کو حکومت ان کی تنظیم سازی اور دیگر معاملات میں ممکنہ سہولت دے۔ یہ پارٹیاں الیکشن کمیشن کے پاس رجسٹرڈ ہوں ان کے انتخابات، فنڈز اور منشور کا الیکشن کمیشن جائزہ لیا کرے اور اگر انہیں پاکستان کے دستور کے خلاف پائے تو سپریم کورٹ کے ریفرنس سے انہیں توڑ دیا جائے ہر الیکشن جماعتی بنیادوں پر ہو تاکہ عوام، افراد کی بجائے پارٹیوں کے منشور کی بنا پر متحد ہوں۔

۳۔ ملک میں تدریجی اصلاحات کا نفاذ کر کے جاگیرداری اور سرمایہ داری نظام کو ختم کیا جائے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرحد اور بلوچستان سے سرداری نظام، سندھ سے وڈیرا شاہی اور پیری اور پنجاب سے جاگیرداری نظام کو بتدریج کمزور کر کے ختم کیا جائے خصوصاً سندھ کے ۸۰ فیصد مسائل کی جڑ یہ وڈیرا شاہی اور پیری ہے جو اپنی طرف سے توجہ ہٹانے کے لیے عوام میں علاقائی اور نسلی تعصب کے بیج بوتے ہیں اگر سندھ سے اس نظام کو اکھاڑ پھینکا جائے تو سندھ کے کروڑوں افراد کو باعزت زندگی میسر آسکتی ہے اور ان کی محرومیوں کا مداوا ہو سکتا ہے تاہم سندھ میں ان پیروں اور وڈیروں کے خلاف بولنے کی ہمت کم کم ہے۔ لہٰذا دوسرے صوبوں کے عوام کو ان سندھی بھائیوں کو اس استحصال سے نجات دلانے کے لیے آواز بلند کرنی چاہیے اس کا مقصد یہ ہے کہ ملک کی دولت چند ہاتھوں میں مرتکز کرنے کی بجائے اسے زیادہ سے زیادہ ہاتھوں میں متحرک کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ میری مراد معاشی عدل کا فروغ ہے۔

۴۔ تعلیم کے فروغ کے لیے پاکستان تعلیمی فوج قائم کی جائے ہر شخص جو اپنی تعلیم مکمل کرے وہ کم از کم ایک سال تک اس پاکستان تعلیمی فوج میں خدمات سرانجام دے۔ اس تنظیم کا مقصد ملک بھر سے ناخواندگی کا خاتمہ ہونا چاہیے جو دور دراز دیہات، فیکٹریوں، دفاتر زرعی فارموں پر جا کر تعلیم دے اور مختلف دیہات میں تعلیمی کیمپس لگائے۔ اخبارات پر اس امر کی پابندی لگائی جائے کہ وہ ہفتہ میں ایک بار مختلف مضامین اور جماعتوں کا تعلیمی نصاب شائع کریں۔ تاکہ دیہات تک تعلیمی اور نصابی نصاب بآسانی پہنچ سکے اور تعلیمی نصابی کتب کی کمی دور ہو سکے۔ اسی طرح یونیورسٹیوں اور کالجوں کے پروفیسروں پر پابندی لگائی جائے کہ وہ ہر سال اپنے نصاب تعلیم اور امدادی نصابی کتب کو اردو میں منتقل کریں تاکہ قومی زبان میں نصابی کتب کی کمی دور کی جا سکے۔ تعلیم کی سطح بلند کرنے کے لیے انگریزی کو اختیاری مضمون قرار دیا جائے اس سے قومی یک جہتی کے فروغ میں بڑی مدد ملے گی اور جمہوری قدروں کے فروغ میں معاونت حاصل ہوگی۔

۵۔ تمام ملک میں فوری طور پر دفتری زبان اردو قرار دے دی جائے۔ اندرون ملک انگریزی میں خط و کتابت دو سال کے لیے جرم قرار دے دی جائے انگریزی زبان لعربی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور برطانوی استعمار کی علامت سمجھ کر ختم کر دی جاتے ہو سکتا ہے شروع میں لوگ اچھی اُردو نہ لکھیں تو پروا نہ کی جاتے۔ تاہم آہستہ آہستہ لوگ خود ہی اچھی زبان لکھنے لگیں گے یوں لوگوں کو اردو میں پڑھنے لکھنے سے دفتری نظام سمجھنے اور اس پر تنقید کرنے اور اصلاح کے لیے دلچسپی لینے میں سہولت ہو گی۔

۶۔ طلبہ تنظیموں، مزدور تنظیموں اور پیشہ ورانہ تنظیموں کو براہِ راست سیاست میں حصہ لینے کی اجازت نہ ہو۔ تاکہ کارخانوں، ملوں اور تعلیمی اداروں کا ماحول گرد آلود نہ ہو۔

۷۔ فوج، پولیس اور انتظامیہ کو سیاست میں جانبدار بننے سے باز رکھا جاتے۔ اور انہیں سیاسی عزائم کے لیے استعمال نہ کیا جاتے۔

۸۔ ملک کے آئین میں قومی اسمبلی یعنی عوام کے منتخب نمائندوں کے علاوہ کسی کو ترمیم و تنسیخ کا حق نہ ہو اور ۱۹۷۳ء کے آئین کو متفقہ قرار دے کر اس میں عوام کے منتخب نمائندوں کو تبدیلی کی اجازت ہو۔

۹۔ صدر اور وزیراعظم کے اختیارات میں توازن ہو۔ صدر صرف ملک کا آئینی سربراہ ہو۔ اور اختیارات کا مرکز وزیراعظم ہو۔ صدر قومی اسمبلی کو وزیراعظم یا قومی اسمبلی کی اپنی سفارش پر توڑنے کا مجاز ہو۔ اور قومی اسمبلی کو برطرف کرنا یا توڑنا کسی وجہ سے ناگزیر ہو تو اسمبلی توڑنے کے دو ماہ کے اندر اندر صدر ریفرنڈم کراتے اور اگر ریفرنڈم میں اسے ناکامی ہو تو وہ مستعفی ہو جاتے اور اختیارات شیریم کورٹ کے چیف جسٹس کو سونپ دیتے جائیں جو ۹۰ دن کے اندر اندر انتخابات کرانے کا پابند ہو۔ اور ایک ماہ کے اندر نئے وزیراعظم اور صدر کو اختیارات سونپ دیے جائیں۔ فوج کو اقتدار کی منتقلی کی ہر راہ بند کر دی جاتے۔ تاکہ افواجِ پاکستان صرف اپنے فرائض ہی احسن طریقے سے ادا کر سکیں اور سیاست میں ملوث ہونے سے ان کی کارکردگی متاثر نہ ہو۔ یہ تمام بھی تجاویز ہیں جنہیں عوامی نمائندہ چاہیں تو ترمیم و اضافہ کے ساتھ آئین کا حصہ بنا سکتے ہیں

۱۰۔ الیکشن کمیشن کی اجازت کے بغیر کسی پارٹی کو قائم کرنے کی اجازت نہ ہو اور سپریم کورٹ کے ریفرنس کے بغیر کسی پارٹی پر پابندی نہ لگائی جاتے۔ اگر کوئی جماعت اپنے فنڈ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منشور، پروگرام اور پارٹی انتخابات سے کمیشن کو مطمئن نہ کرے تو کمیشن اس کے خلاف سپریم کورٹ میں معاملہ لے جا سکتا ہے اور سپریم کورٹ انصاف کے تقاضوں کے تحت اس بارے میں فیصلہ کرنے کی مجاز قرار دی جائے۔

۱۱۔ ملک کے تمام دفاعی اداروں مثلاً فوج، عدلیہ، پولیس وغیرہ میں تمام صوبوں کو آبادی کے اعتبار سے نمائندگی دی جائے اور اس تصور کو ختم کیا جائے کہ ملک کا دفاع کسی خاص صوبے کے عوام کی ہی ذمہ داری ہے اور وہی اس کے لیے موزوں ہیں تمام مسلمان شجاع ہیں اور فوج کے لیے موزوں ہیں اور ان کے لیے آبادی کے تناسب سے روزگار کے مواقع عام کیے جائیں۔

۱۲۔ صوبائی زبانوں پنجابی، سندھی، پشتو، بلوچی اور کشمیری کو مختلف صوبوں میں پڑھانے کی سہولتیں فراہم کی جائیں اس کے لیے وظائف دیے جائیں۔ لوگوں کو ایک ثقافتی ہم آہنگی دینے کے لیے قومی اور صوبائی سطح پر ثقافتی میلے منعقد کیے جائیں اور مختلف علاقوں کی دست کاریوں وغیرہ کو دوسرے علاقوں میں فروخت کے انتظامات کیے جائیں۔ نیز لاہور، حیدر آباد، کراچی اور فیصل آباد میں کارخانے لگانے کی بجائے بلوچستان اندرون سندھ، اندرون پنجاب اور سرحد میں کارخانے لگائے جائیں۔

۱۳۔ ملک کی غیر آباد زمین کو سب سے پہلے مقامی پھر صوبائی اور سب سے آخر میں قومی سطح پر ایسے ضرورت مندوں میں تقسیم کیا جائے جو اسے آباد کر سکیں۔ ایسے آبادکاروں کا حکومتی سطح پر تحفظ کیا جائے۔ ان کے لیے پانی، کھاد، ادویات اور بیج کی سہولتیں فراہم کی جائیں۔ تاکہ معاشی خوشحالی جمہوریت کے استحکام میں معاون ہو۔

۱۴۔ بلا ضرورت کسی ملازم کو ٹرانسفر نہ کیا جائے۔ انگریز کے ملازمین کو تبدیل کرتے رہنے کی پالیسی ختم کی جائے۔ اولین کوشش یہ کی جائے کہ ملازمتیں مقامی ملازمین کو دی جائیں۔ اور اس کے بعد صوبائی اور قومی سطح پر یہ ملازمتیں فراہم کی جائیں۔ اس سے مکانوں کے کرایوں، غیر ضروری رسل و رسائل کے مسائل حل کرنے میں مدد ملے گی اور یہ بھی ملک میں معاشی استحکام پیدا کرے گی۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۵۔ پولیس کو کنٹرول کیا جائے۔ لوگوں کو غیر ضروری مقدمات سے نجات دلائی جائے انصاف سرکاری سطح پر فراہم کیا جائے وکلا کو معاوضہ شہری نہیں حکومت ادا کرے تاکہ ملک میں انصاف سستا، عام اور مثبت قدروں پر استوار ہو۔ اس کے لیے حکومت چاہے تو انصاف ٹیکس لگا سکتی ہے

۱۶۔ پاکستان کے باشعور اور دانشور طبقے شاعروں، ادیبوں، فن کاروں، طلبہ اور اساتذہ کو پاکستانی عوام کے مصائب سے ان کے مسائل اور ان کے حل پر ریسرچ کرنے اور لکھنے کی طرف راغب کرنے کے لیے ان کے اندرون ملک دوروں، ان کی کانفرنسوں، مذاکروں اور سیمیناروں کا بندوبست کیا جائے اور ان کی تحریروں کو شائع کرنے میں معاونت کی جائے۔ ان کو ان کی تخلیقات کا معاوضہ دیا جائے اور ملک بھر میں لائبریریوں میں ان کی کتب خریدنے کا بندوبست کیا جائے۔ ہر قصبہ اور تحصیل کی سطح پر ایک لائبریری سرکاری طور پر موجود ہو جو کتب کی خرید میں مستعد ہو تاکہ علم کی ہر شخص تک رسائی ہو اور قومی شعور بڑھے۔ پورے ملک میں جمع ہونے والا زکوٰۃ فنڈ کم از کم پانچ سال کے لیے فروغ علم کی مہم پر لگا دیا جائے۔ تاکہ تعلیمی انقلاب برپا کیا جا سکے جو متعدد مسائل کو از خود حل کرنے میں معاون ہو گا۔

۱۷۔ ملک کو موجودہ کمشنریوں کے انتظامی یونٹوں میں اس طرح تقسیم کیا جائے کہ ہر کمشنری کے قومی انتخابی حلقوں کا آبادی کے تناسب سے تعین کیا جائے ہر حلقہ انتخاب سے منتخب ہونے والا رکن قومی اسمبلی اپنے حلقے کا انتظامی سربراہ ہو اس حلقے کی تمام انتظامی مشنری اس کے تصرف میں ہو اور تمام وسائل بھی اس کی مرضی اور پروگرام کے تحت اس کے حلقے میں وضع کیے جائیں اس کے حلقے کا بجٹ بھی اس کے تصرف میں ہو اور وہ اپنے تمام منصوبوں اور پروگراموں کی قومی اسمبلی سے منظوری حاصل کرے اور اس میں اپنی کارگزاری پیش کرے۔ یہ رپورٹ سالانہ ہو اور اسے مکمل طور پر شائع کیا جائے تاکہ عوام اپنے نمائندے کی کارکردگی سے مکمل طور پر آگاہ ہوں اور اس کا محاسبہ کر سکیں اور آئندہ ووٹ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیتے وقت اسے پیش نظر رکھیں یا مدت انتخاب کے اندر اندر اس پر اظہار عدم اعتماد کر سکیں۔ کمشنری میں ایک سے زیادہ حلقے ہوں تو یہ منتخب نمائندے کمشنری کی سطح پر اپنا ایک سربراہ منتخب کر لیں یوں وہ اپنی کمشنری اور اپنے حلقہ ہائے نیابت میں مکمل خود مختار ہوں یہ سب مل کر اپنی کمشنری کے لیے ترقیاتی پروگرام، بجٹ اور فلاح کے منصوبے وضع کریں اور مقامی طور پر لوگوں کے مسائل حل کریں اور حکومت اور قومی اسمبلی کے علم میں لائیں اس سے حقیقی معنوں میں عوامی نمائندے ملک کے ترقیاتی کاموں میں عملی حصہ لے سکیں گے اور وہ اسمبلیوں میں محض تعاریف جھاڑنے کی بجائے مسائل کا حقیقی ادراک حاصل کر کے ٹھوس منصوبہ بندی میں راہنمائی دے سکیں گے ان کی امداد کے لیے بلدیاتی ارکان ہوں جو اپنے اپنے حلقہ نیابت میں انتظامی سربراہ ہوں اور ہر حلقہ قومی اسمبلی میں وہ اپنے نمائندہ قومی اسمبلی کے ماتحت ہوں۔ یوں ہر حلقہ نیابت میں ایک منتخب انتظامی مشنری موجود ہو گی جو عوام کی تائید اور حمایت سے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کام کر سکے گی۔ صوبوں کی سطح پر یا کمشنریوں کی سطح پر وزارت سازی نہ ہو بلکہ ہر کمشنری جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے ایک انتظامی یونٹ ہو۔ صوبوں کا موجودہ تشخص بے شک بحال رہے مگر صوبوں کو انتظامی یونٹ نہ بنایا جائے۔ ان ہی کمشنریوں پر مشتمل ملک کا انتظامی نظام ہو۔ ملک میں صرف ایک وفاقی کابینہ ہو۔ وزارت سازی صرف مرکز کی سطح پر ہو۔ اور یہ مرکزی کابینہ جس کا سربراہ وزیر اعظم ہو ملک کا نظام چلائے اس سے اخراجات میں بچت بھی ہو گی اور علاقائیت اور صوبہ پرستی کا بھی خاتمہ ہو گا۔ تاہم اس سلسلے میں اس بات کو مدنظر رکھا جائے کہ ہر کمشنری انتظامی سطح پر مکمل خود مختاری رکھتی ہو اور عوام کے مسائل اس کمشنری کی سطح پر حل ہوں اور عوام کو اپنے مسائل کے حل کے لیے اپنی کمشنری میں ہی تمام سہولتیں میسر ہوں۔ اور انہیں مرکز کے چکر نہ لگانے پڑیں۔ اگر کوئی مسئلہ مرکز سے متعلق ہو تو سربراہ کمشنری خود اپنے زیر اختیار عوام کے لیے مسئلہ کا حل تلاش کرے۔ کمشنریوں کو انتظامی خود مختار دینے سے ان کے خود مختار یا آزاد ہونے کا بھی امکان نہیں ہو گا تاہم یہ انتظامی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طور پر مکمل خود مختاری رکھنے کی بنا پر عوام کی مشکلات حل کر سکیں گی اور عوام کو دور دراز کے چکر لگانے کے لیے وقت اور سرمایہ برباد نہیں کرنا پڑے گا بلکہ وہ اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعے خود اپنے علاقے میں ہی ضروریات زندگی کے بارے میں سہولتیں اور راہنمائی حاصل کر سکیں گے۔ مرکزی وفاقی حکومت کسی حکم، سکیم، یا پروگرام کا نفاذ بھی ان ہی کمشنری یونٹ کے ذریعے کرے اور ان کی امداد واعانت سے اپنے پروگراموں کا نفاذ کرے۔ تاہم کرنسی، دفاع، قومی سلامتی کے امور، قومی زبان اور علاقائی زبانوں کی ترقی، تعلیم، سائنس و ٹیکنالوجی کی منصوبہ بندی، مواصلات وغیرہ پر وفاقی حکومت کا تصرف ہوگا۔ مگر قومی وفاقی حکومت اس کے لیے بھی کمشنری انتظامی یونٹوں کے تعاون سے پروگرام اور منصوبہ بندی کرے گی اور حکومت قومی اسمبلی کے ذریعے ہی ان کے لیے آئین سازی اور منصوبہ بندی کرے اور اسی کے ذریعے انہیں کنٹرول کرے۔

بظاہر اوپر پیش کی گئی تجاویز ایسی نظر آئیں گی کہ جمہوریت کے فروغ و نفاذ سے تعلق نہیں رکھتیں مگر اگر بغور دیکھا جائے تو ملک میں معاشی، سیاسی اور اخلاقی استحکام پیدا کرنے کے لیے وہ ناگزیر نظر آئیں گی اگر ان چیزوں پر غور کر کے ان پر علدرآمد کے سلسلے میں کوئی لائحہ عمل مرتب کیا جائے تو اس سے ملک میں انتظامی، سیاسی، معاشی استحکام اور جہالت، افلاس، بیماری اور بے راہ روی ختم کرنے میں مدد ملے گی اور یوں پاکستان ایک اسلامی، فلاحی اور جمہوری معاشرے کی طرف قدم بڑھا سکے گا۔

ڈاکٹر وحید عشرت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترقی پذیر ملکوں کا یہ ایک عجیب المیہ ہے کہ جب بھی ان میں آمریت کسی نہ کسی شکل میں برسر اقتدار آتی ہے تو وہ مذہب اور اس معاشرے کی رسوم و روایت سے یا اس معاشرے میں اثر و نفوذ رکھنے والی شخصیات کے حوالے سے اپنا جواز تلاش کرنے کی کوشش کرتی ہے اور وہ عوام کے آئینی و جمہوری حقوق غصب کرنے کے لیے جمہوریت کے خلاف لب کشائی کرتی ہے۔ اس کو خلاف مذہب قرار دیتی ہے اس کے نقائص کو خوب اچھال اچھال کر بیان کرتی ہے اور ایسے دانشوروں کی تلاش کرتی ہے جو انہیں مغربی جمہوریت کے حوالے سے یا انہیں مغربی مفکرین کی تحریروں سے جمہوریت کے بارے میں ایسا مواد فراہم کریں جن سے ان کی قوت اور طاقت میں اضافہ ہو اور آمریت کا قلادہ عوام کی گردنوں میں مستحکم طور پر پڑا رہے۔ پاکستان میں تین بار مارشل لاء لگا اور عوام ایک بھیانک آمریت کے ہاتھوں سسکتے رہے مگر اس ملک کے دانشوروں کی ایک کھیپ جمہوریت کے خلاف لب کشائی کر کے آمریت کے ہاتھوں کو مستحکم کرتی رہی۔ اس سلسلے میں مغربی جمہوریت کی آڑ میں اصل منشا حکمرانوں کی اہواتے نفس کی تسکین اور اپنے لیے مراعات و انعامات کا حصول تھا۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ خود آمروں نے بھی مغربی جمہوریت کے خلاف ان دانشورانہ دلائل کا استعمال اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے کیا اور جمہوریت پر علامہ اقبال اور دوسرے مسلمان زعما کے جزوی اعتراضات یا ان کے بیان کردہ چند جزوی نقائص کو اچھال اچھال کر خود اس جمہوریت کے تصور کی ہی کلی طور پر نفی کی۔ جس کے لیے ان زعما نے عمر بھر جدوجہد کی حالانکہ یہ امر ان پر بھی اظہر من الشمس رہا ہے کہ جمہوریت اپنے تمام تر نقائص کے باوجود دنیا بھر میں موجود سیاسی نظامات میں سب سے بہتر، مفید اور اسلام سے قریب تر نظام حکومت ہے۔ تاہم جمہوریت کو اپناتے وقت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہم اس میں اپنے مذہب، عقیدے اور سماجی، اخلاقی اور معاشی ضروریات کے لحاظ سے جس قدر بھی چاہیں ترمیم و تبدیلی کر سکتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح جمہوریت دینی منہاج اور مزاج کے اعتبار سے ہماری مذہبی اور اسلامی قدروں کے خلاف نہ رہے۔ اور اسلامی معاشرہ کے فروغ و استحکام میں کارگر ثابت ہو سکے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان کی طرح جمہوریت پوری دنیا میں ایک متنازعہ تصور ہے اس کے مخالفوں اور حامیوں کی ہر جگہ ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ خصوصاً ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک میں غربت اور جہالت کے عام ہونے کی وجہ سے جمہوری تصورات کے اپنانے میں کئی قباحتیں بھی سامنے آتی ہیں لیکن وہ قباحتیں بھی اگر شمار کر لی جائیں تو آمرانہ معاشروں کے مقابلے میں بہت کم دکھائی دیں گی مگر ہوتا یہ ہے کہ ترقی پذیر یا پسماندہ معاشروں میں ذرائع ابلاغ حکومت کے ہاتھ میں ہونے کی وجہ سے عوام کو اس سارے منظر نامے کی تصحیح طور پر تفہیم نہیں ہو پاتی اور وہ حکومت کے پراپیگنڈے پر آسانی کے ساتھ اعتماد کر لیتے ہیں۔ اور اس طرح اپنی جہالت، غربت اور کم علمی کے باعث معاشرے پر آمریتوں کے پنجے مضبوط کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ اس مختصر سی کتاب میں ہم نے جمہوریت کی نہ تو تاریخ بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور نہ جمہوریت کے خلاف مختلف اعتراضات کا جواب دیا ہے بلکہ مختصر طور پر یہ سمجھانے کی جدوجہد ہمارے پیشِ نظر ہے کہ پاکستان جمہوریت کی پیداوار ہے، اس کے قائدین اس کے لیے یہی نظام پسند کرتے تھے اور مسلمانوں کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ اپنے ہاں موجود آمریتوں کے تخت و تاج اچھال کر اپنے لیے جمہوری معاشروں کے قیام کو ہی لازم تصور کریں، مغربی جمہوریت کے جو چند ایک نقائص ہیں انہیں جمہوریت کو اسلام کے قالب میں ڈھالنے سے دور کیا جا سکتا ہے۔ جمہوریت اسلام سے زیادہ قریب تصورِ حکومت ہے اور خلافت کو اگر جدید اسلامی معاشرے میں لانا مقصود ہو تو وہ جمہوریت کے پیکر میں ہی جلوہ افروز ہو سکتی ہے۔ اسلامی جمہوریت دراصل خلافت اسلامی کا ہی قالب رکھتی ہے۔ اسلام اپنے مزاج کے اعتبار سے افراد سے زیادہ اجتماعی اداروں کے استحکام پر اصرار کرتا ہے یہی اجتماعیت اور ادارہ سازی جمہوریت کا مزاج ہے بلکہ آمریتوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں حکومت پر فردِ واحد کی گرفت ہوتی ہے اور وہ فردِ واحد معاشرہ کو اپنی اہواے نفس کے مطابق چلانے میں زیادہ بے باک ہو سکتا ہے۔ پھر جمہوریت میں جس طرح پُرامن طور پر انتقالِ اقتدار ممکن ہے آمریتوں، ملوکیتوں اور ارسٹوکریسی میں ممکن نہیں ہے۔

انسان کے دیگر تصورات کی طرح جمہوریت کا تصور بھی بڑا قدیم ہے اس نے اپنے ارتقا کے دوران آمروں کی خطرناک نظروں کا بڑی پامردی سے مقابلہ کیا ہے، جمہوری تاریخ کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جمہوریت نے مطلق العنانی اور اندھے اختیارات کی مالک ملوکیت اور آمریت سے پیہم نبرد آزمائی کی ہے۔ آمریت جابر حاکموں کا ہتھیار رہی ہے اور جمہوریت، پسے، دبے اور کچلے ہوئے مظلوم انسانوں کی امید اور آس بن کر اُبھرتی رہی ہے۔ جمہوریت کی تاریخ کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ پاپائیت اور مذہبی قہرمانوں نے ہمیشہ آمریت کا ساتھ دیا ہے۔ خود مسلمانوں میں روشن ضمیر علماء کے برخلاف بے شمار علماء نے جمہوریت کے چند نقائص کی آڑ میں بے لگام آمریت کو تقویت پہنچا کر عوام کی آرزوں اور آرزوؤں سے چشمک زنی کی ہے۔ اسلام جس نے کہ بیعت (رائے یا جدید زبان میں ووٹ) یعنی حکمران کے انتخاب و اعتزال کے لیے عوام کی تائید و حمایت کا طریقہ کار وضع کیا تھا خلافت راشدہ کے بعد اموی ملوکیت کے ہاتھوں ختم ہو گیا اور دیگر سماجوں کی طرح موروثی انتقالِ اقتدار کا طرز اختیار کر لیا گیا اب عوام کو دھوکہ دینے کے لیے اس کا نام تو خلافت ہی رکھا گیا مگر دراصل وہ بادشاہت کا ہی نظام تھا جو عملاً اسلامی معاشرے میں رائج ہو گیا اور جس کی تائید اور نصرت سرکاری درباری ملائیت کے فتووں سے ہونے لگی۔ تاہم علماے حق نے ہمیشہ اس "بادشاہت" یا موروثی خلافت سے عدم تعاون کا رویہ روا رکھا اور جیل، کوڑوں اور قتل تک کی سزا قبول کی۔ اور جب کبھی موقع ملا تو خروج کی بھی کوششیں کیں۔

اس کتاب میں مغربی جمہوریت کے بنیادی نقائص پر نظر ڈالنے کے ساتھ ساتھ اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے لیے جمہوریت کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے۔ اسلام مغربی جمہوریت کے نقائص کو دور کر کے اسے اسلامی خلافت کے تصوّر کے قریب لے آتا ہے۔ اگر مغربی جمہوریت کی طرح اقتدارِ اعلیٰ عوام کی بجائے خدا کا تسلیم کیا جاتے اور مسلمان عوام اس اقتدارِ اعلیٰ کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسے تصور کیے جائیں جو خدا اور اس کے رسولؐ کی مرضی کے مطابق اس اقتدارِ اعلیٰ کو استعمال کرتے ہوئے قانون سازی کریں تو ایسی جمہوریت اسلام کے مزاج میں ڈھل جائے گی اسلام اس جمہوریت کو قبول کرتا ہے اور عہد جدید میں اس کو اپنانا اسلام کی اصل روح کی طرف پلٹ جانا ہے؟ چنانچہ علامہ اقبال، خلیفہ عبدالحکیم، مولانا مودودی، مولانا حنیف ندوی، غلام احمد پرویز اور بہت سے دوسرے مسلم مفکرین کسی قدر ترمیم و اضافے کے ساتھ جمہوریت کو اسلام کا منشا اور مطلوب قرار دیتے ہوئے اس کو اپنانے پر زور دیتے ہیں۔

کسی سماج کے نظامِ حکومت کا مسئلہ دراصل فرد اور سماج کے تعلق سے پھوٹتا ہے۔ فرد کا سماج یا ریاست سے کیا رشتہ ہے تاہم یہ مسئلہ جتنا بظاہر سہل نظر آتا ہے اتنا ہی گنجلک بھی ہے اس موضوع پر دنیا کے ذہین دماغوں نے نہایت غور و فکر کے بعد اپنی سوچ کے نتائج کو مرتب کیا ہے۔ فرد اور ریاست یا معاشرہ یا اجتماع کے حوالہ سے عام طور پر دو ایسے رویّے منظرِ عام پر آتے ہیں۔ ایک رویہ ریاست اور فرد کے تعلقات کے سلسلے میں انفرادیت کا ہے اور دوسرا رویہ اجتماع کے حوالے سے اجتماعیت کا ہے۔ ریاست چونکہ انسانی اجتماع کی منظم ترین صورت ہے لہٰذا انفرادیت اور اجتماعیت کے یہ دونوں رویّے فرد اور ریاست کے تعلقات کے سلسلے میں اختیار کیے جاتے رہے ہیں۔ تاریخ عالم میں انسانوں نے دونوں ہی طرح کے تجربے کیے ہیں اور دونوں ہی سے انسانوں کے عدم اطمینان سے تاریخ لبریز ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ انفرادیت پسندوں اور اجتماعیت پسندوں نے اپنے اپنے رویّوں کو اپناتے ہوئے انتہا پسندانہ رویہ اختیار کیے رکھا ہے۔ انہوں نے انفرادیت اور اجتماعیت پر عمل کرنے میں اعتدال کی بجائے ابتذال کی راہ اختیار کی جس کے نتیجے میں انسان تلخ تجربوں سے ہمیشہ دوچار رہا۔

عصر حاضر میں انسان نے انفرادیت کی انتہا پسندانہ روش سرمایہ داریت اور اجتماعیت کی متشددانہ صورت اشتراکیت دونوں کا تجربہ کیا ہے۔ انفرادیت کی دوسری صورت مثلاً انارکیت اور اجتماعیت کی صورت فسطائیت وغیرہ کو بھی انسان آزما چکا ہے اور اب وہ ان دونوں انتہا پسندانہ رویّوں کے بین بین کسی تیسرے اعتدال پسندانہ رویہ کی تلاش میں ہے۔ اسلام نے انفرادیت اور اجتماعیت کے انتہا پسندانہ رویّوں کے مابین توازن اور اعتدال پیدا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر کے اور ابتذال کی راہ چھوڑ کر فرد اور ریاست کے تعلقات کے تعین میں بڑی ہم آہنگی پیدا کی ہے۔ لہٰذا آج کی دنیا جس انفرادیت اور اجتماعیت سے نالاں ہو کر اور ان کے انتہا پسندانہ مواقف کے مابین توازن پیدا کرنے کی فکر میں ہے اس کے بارے میں بہترین رہنمائی اسلام کے پاس ہے اس لیے کہ:

"اسلامی ریاست نہ تو محض اجتماعیت ہے اور نہ ہی ریاست عدم مداخلت کا رویہ اختیار کرتی ہے۔ ریاست فرد کو آزادی فراہم کرتی ہے کہ وہ انفرادی مقاصد کی تکمیل کرے مگر وہ لازمی طور پر اس وقت مداخلت کرتی ہے جبکہ وہ مقاصد اجتماعی طور پر معاشی اور عمرانی الجھاؤ پیدا کریں۔"[۱۰]

سید ابوالاعلیٰ مودودی اسلام کے اس اعتدال پسندانہ رویہ کے تحت وجود میں آنے والی جمہوریت کو آج کے مسائل کا حل قرار دیتے ہیں جو انفرادیت اور اجتماعیت کی خامیوں سے مبرا اور خوبیوں سے لبریز ہے اس لیے کہ:

"ایک طرف اسلام نے یہ کمال درجہ کی جمہوریت قائم کی ہے دوسری طرف ایسی انفرادیت (Individualism) کا سدباب کر دیا ہے جو اجتماعیت کی نفی کرتی ہے۔ یہاں افراد و جماعت کا تعلق اس طرح قائم کیا گیا ہے کہ نہ فرد کسی شخصیت جماعت میں گم ہو جاتے۔ جس طرح کمیونزم اور فاشزم کے نظام اجتماعی میں ہو جاتی ہے اور نہ فرد اپنی حد سے اتنا بڑھ جاتے کہ جماعت کے لیے نقصان دہ ہو۔ جیسا کہ مغربی جمہوریتوں کا حال ہے۔ اسلام میں فرد کا مقصد حیات وہی ہے جو جماعت کا مقصد حیات ہے۔ یعنی قانونِ الٰہی کا نفاذ اور رضائے الٰہی کا حصول۔ مزید برآں اسلام میں فرد کے حقوق پوری طرح تسلیم کرنے کے بعد اس پر جماعت کے مخصوص فرائض بھی عائد کر دیے گئے ہیں۔ اس طرح انفرادیت اور اجتماعیت میں ایسی موافقت پیدا ہو گئی ہے کہ فرد کو اپنی قوتوں کے نشوونما کا پورا موقع بھی ملتا ہے اور پھر وہ اپنی ان ترقی یافتہ قوتوں کے ساتھ اجتماعی فلاح و

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہبود میں مددگار بھی بن جاتا ہے۔[۱۲]

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جس اسلامی جمہوریت کے تصوّر کی طرف اشارہ کیا ہے اس میں نہ تو فرد کی انفرادی آزادی پر کوئی قدغن ہے اور نہ معاشرے کے اجتماعی مقاصد کی بھینٹ فرد چڑھایا گیا ہے۔ بلکہ اسلامی جمہوریت میں فرد اور معاشرہ کے تعلقات کے درمیان ایک توازن پیدا کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ جبکہ سرمایہ دارانہ جمہوریت میں فرد ایک بے لگام رکن معاشرہ ہے اور اشتراکیت کے جس نظام اجتماعی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس میں فرد کو اجتماعیت کی قربان گاہ پر لے جا کر ذبح کر دیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ ان دونوں انتہا پسندانہ نظاموں کے درمیان ایک مغائرت کی دیوار کھڑی ہے۔ اور نوعِ انسانی جمہوریت کے ایک متوازن نظام سے پوری طرح استفادہ نہیں کر سکی۔ ذیل میں ہم جمہوریت کے باب میں مغرب، اشتراکیت اور اسلام کا موقف پیش کرنے سے قبل خود جمہوریت کے تصوّر کی وضاحت کرتے ہیں تاکہ مسئلہ کی درست طور پر تفہیم ہو سکے۔ کیونکہ یہ جانے بغیر کہ جمہوریت کیا ہے اس کا مغربی تصوّر کیا ہے اور اس پر اس کے نقادوں نے کیا کیا اعتراضات وارد کیے ہیں اور اسلامی جمہوریت کے کیا خدوخال عہد جدید میں ہو سکتے ہیں ہم مسئلہ کو درست طور پر نہیں سمجھ سکتے اور نہ عہد جدید میں مسلمانوں کے لیے اس کی قدر و قیمت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ اس مضمون کا منشا یہ بتانا ہے کہ اسلامی جمہوریت مزاجاً وہی نظام حکومت ہے جو مسلمانوں نے خلافت کے نام پر قائم کیا تھا جسے اموی ملوکیت نے پامال کر دیا اس کا نام رہنے دیا مگر اس کی جمہوری روح پامال کر دی وگرنہ خلافت اپنے فطری منہاج پر ارتقا پذیر رہتی تو وہ لازمی طور پر اسلامی یا اقبال کے الفاظ میں روحانی جمہوریت کے قالب میں ظاہر ہوتی۔

جمہوریت کیا ہے

معروف مغربی معنوں میں جمہوریت ایک ایسا نظام حکومت ہے جس میں اقتدارِ اعلیٰ کے مالک عوام ہوتے ہیں اور ان کی کثرتِ رائے سے جو ووٹوں کے ذریعے حاصل کی جاتی ہے، مقننہ وجود میں آتی ہے۔ یہی مقننہ ملک کا سب سے بڑا قانون ساز ادارہ ہوتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد حنیف ندوی جمہوریت کے اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جمہوریت یونانی لفظ Democracy سے نکلا ہے جو دو اجزا سے ارتقا پذیر ہے۔ ایک جزو کے معنی جمہور کے ہیں اور دوسرے جزو کے معنی حکومت اور قانون کے۔ اس کے اصطلاحی معنی کا اطلاق ایسے اسلوب حکومت پر ہوتا ہے جس میں عوام اور جمہور کی بڑی سے بڑی تعداد شریک ہو۔" [۳]

انسائیکلوپیڈیا آف فلاسفی میں جمہوریت کے تصور کی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ جمہوریت کے

"اصل معنی یہ ہیں کہ یہ ایک ایسی طرزِ حکومت ہے جس میں سیاسی فیصلوں کا حق براہ راست مجموعی طور پر شہریوں کو حاصل ہوتا ہے اور اکثریت کی حکومت کے اصول کو ضابطہ قرار دیا جاتا ہے۔ اسے براہِ راست جمہوریت کہا جاتا ہے۔ دوسرے یہ ایک ایسی طرزِ حکومت ہے جس میں وہ سیاسی حقوق انفرادی طور پر استعمال نہیں کرتے بلکہ اسے منتخب نمائندوں کے ذریعے کرتے ہیں اور وہ ان کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں۔ اسے نمائندہ جمہوریت کہتے ہیں۔ تیسرے یہ ایک ایسی طرزِ حکومت ہے جو عام طور پر نمائندہ جمہوریت ہی ہوتی ہے مگر وہاں اکثریت کی قوت اور ان کا عمل ایک خاص آئینی دائرہ کار کے اندر ہوتا ہے اور آئینی طور پر ایک ایسا دائرہ کار Framework متعین ہوتا ہے، جس کے اندر محدود طور پر تمام لوگ انفرادی اور اجتماعی حقوق سے لطف اندوز ہوں۔ یہ حقوق آزادی، اظہار اور مذہب سے متعلق ہوتے ہیں اسے متوازن یا آئینی جمہوریت کہتے ہیں۔ چوتھے لفظ جمہوریت کا استعمال کسی نظام کی ان سیاسی اور سماجی خصوصیات پر بھی کیا جاتا ہے جو حکومت کی مبینہ تین تعریفوں میں نہیں آتیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مگر ان کا مقصد معاشی اور سماجی تفریقات کا خاتمہ ہوتا ہے۔ خاص طور پر وہ تفرقات جو انفرادی حق ملکیت اور اس کی تقسیم سے پیدا ہوتے ہیں اسے سماجی یا معاشی جمہوریت کہتے ہیں۔"[۴]

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم فکر اقبال میں جمہوریت کو بہت سارے دوسرے عمرانی تصورات کی طرح مبہم قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

"جمہوریت بھی ان مبہم تصورات کی طرح ہے جن کے کوئی معنی نہیں۔ اس وقت دنیا میں ہر قوم جمہوریت کی خواہاں اور اس کے حصول کے لیے کوشاں ہے یا اس بات کی مدعی ہے کہ صحیح جمہوریت صرف ہمارے پاس ہے اس کے علاوہ اور اقسام کی جمہوریت کے دعوے سب بے بنیاد اور محض ابلہ فریبی ہے۔"[۵]

مگر جمہوریت کے بارے میں مختلف طرح کے ابہامات کے باوجود ایک بنیادی وصف اس کا یہ ہے کہ

"جمہوریت کا عام ترین مفہوم جس پر سب متفق معلوم ہوتے ہیں یہ ہے کہ رعایا پر کوئی فرد یا کوئی طبقہ اس کی مرضی کے خلاف حکومت نہ کرے۔"[۶]

اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے حکیم کہتے ہیں کہ

"جمہوریت وہ نظام ہے جس میں اقتدار اعلیٰ نہ سلاطین کو حاصل ہو اور نہ امراء کے طبقہ کو، حکومت کی باگ نہ جاگیرداروں اور زمینداروں کے ہاتھ میں ہو اور نہ سرمایہ داروں اور کارخانہ داروں کے ہاتھ میں، مجلس آئین ساز میں جو نمائندے ہوں وہ آزادی سے عوام کے منتخب کردہ اہل الرائے ہوں۔"[۷]

اگر جمہوریت کی مختصر الفاظ میں تعریف کی جائے تو ابراہم لنکن کے الفاظ میں یہ کہنا ہوگا کہ

"عوام کی حکومت عوام کے لیے اور عوام کے ذریعے" یعنی جمہوریت ایک ایسی حکومت ہے جس میں ووٹ کے ذریعے اپنی رائے کا اظہار کر کے عوام شرکت کرتے ہیں۔ اور انہیں اپنے معاملات میں شرکت کرنے کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احساس ہوتا ہے اور یہ حکومت عوام کے مفاد کے لیے ہی وجود میں آتی ہے اور اسے عوام ووٹوں کے ذریعے برسر اقتدار لاتے ہیں۔ عوام کی شرکت کے اسی احساس کے تحت ابراہم لنکن نے اُسے "اس دھرتی کی آخری بہترین امید قرار دیا تھا اور جیفرسن نے کہا تھا کہ جمہوریت انسانوں کی رائے کے احترام کا نام ہے۔"[۵۸]

المختصر جمہوریت ایک ایسا نظام حکومت ہے:

۱۔ جس میں اقتدارِ اعلیٰ کے مالک عوام ہیں۔

۲۔ عوام اپنے ووٹوں کے ذریعے پارلیمنٹ یعنی ملک کا اعلیٰ ترین دستور ساز ادارہ بناتے ہیں جو عوام کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے۔

۳۔ یہ حکومت عوام کے مفاد میں یعنی ان کی فلاح و بہبود کے لیے وجود میں آتی ہے۔

۴۔ اس کا انتخاب بھی عوام اپنی رائے سے کرتے ہیں۔

یعنی جمہوریت خود کوئی مقصد یا غائت نہیں بلکہ عوام کی فلاح و بہبود حاصل کرنے کے لیے ایک ایسا آلہ حکومت ہے جس میں کسی ملک کے عوام براہِ راست شرکت کرتے ہیں۔

جمہوریت کے خلاف عمومی دلائل

جیسا کہ قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے کہ جمہوریت کا تصور یونانی الاصل ہے لہٰذا جمہوریت کے خلاف پہلا مقدمہ بھی سقراط نے قائم کیا۔ جو اپنے عہد میں دنیا کے سات عاقل ترین انسانوں میں شمار ہوتا تھا۔ سقراط نے جمہوریت پر جو اعتراض اس زمانے میں وارد کیا کم و بیش ہیر پھیر کر اس کے بعد کے جمہوریت کے مخالفین نے اسے دہرایا اور اگر سچ پوچھیں تو جمہوریت کے مخالفین کے پاس اس سے زیادہ مضبوط دلیل اور کوئی نہیں مگر اپنی اس دلیل کے بعد ان کے پاس کسی اور نظام کے لیے بھی کوئی دلیل نہیں سوائے اس کے کہ وہ حیلے بہانے سے فسطائیت یا آمریت کی گود میں پکے ہوئے پھل کی طرح آگرتے ہیں۔ سقراط نے کہا تھا کہ

"اس جمہوریت سے زیادہ مضحکہ خیز اور کیا چیز ہو سکتی تھی۔ جس کی ناک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ہجوم نے نکیل ڈال رکھی تھی۔ جہاں جذبات کا دور دورہ تھا جہاں حکومت ایک مجلس مباحثہ تھی جہاں فوج کے سپہ سالار بن سوچے سمجھے انتخاب، برخاست اور ہلاک کیے جاتے تھے۔ جہاں حروف تہجی کے اعتبار سے بے چارے چھوٹی عقل رکھنے والے کسانوں اور تاجروں کو منتخب کرلیا جاتا تھا کہ سلطنت کی عدالت عالیہ کے ارکان کی حیثیت سے کام کریں۔"[۹]

آگے چل کر وہ پھر اس نظام پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

"کیا یہ گھٹیا درجے کا توہم نہیں کہ محض تعداد کی کثرت سے دانشوری وجود میں آجائے گی۔ اس کے برخلاف کیا یہ بات مسلمہ طور پر مشاہدے میں نہیں آتی کہ جو لوگ مجمع میں شامل ہوتے ہیں وہ ان لوگوں سے کہیں زیادہ بیوقوف تشدد پسند اور ظالم ہوتے ہیں جو تنہا اور علیحدہ ہوتے ہیں۔ کیسی شرمناک بات ہے کہ انسانوں پر وہ خطیب حکمران ہوں جو طول طویل تقریریں کرتے ہیں اور جنہیں پیتل کے ان برتنوں سے تشبیہ دی جاسکتی ہے جنہیں ضرب لگائی جائے تو اس وقت تک صدا دیتے رہتے ہیں جب تک کوئی ان پر ہاتھ نہ رکھ دے۔"[۱۰]

سقراط اس مسئلے کا حل یہ تجویز کرتا ہے کہ

"حکومت کی قیادت عاقل ترین آدمی کے ہاتھ میں ہونی چاہیے۔"[۱۱]

جمہوریت کو قابل گردن زونی قرار دینے کے بعد سقراط جو حل "عاقل ترین آدمی" کی صورت میں پیش کرتا ہے اس پر ذرا اپنے عمل پر گفتگو ہوگی مگر پہلے ذرا جمہوریت پر سقراط کے اعتراضات کو متشخص کرلیا جائے۔ چنانچہ وہ یہ ہیں:

۱۔ اس طرز حکومت کو ہجوم نے نکیل ڈال رکھی ہوتی ہے یعنی اس نظام حکومت میں کثرت رائے سے فیصلے ہوتے ہیں جس طرف زیادہ افراد ہوں وہ فیصلہ صائب سمجھا جاتا ہے۔

۲۔ اس نظام حکومت میں جذبات کا دور دورہ ہوتا ہے۔

۳۔ ایسی حکومت ایک مجلس مباحثہ ہوتی ہے یعنی پارلیمنٹ میں ہر معاملہ بحث کے ذریعے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملے ہوتا ہے۔

۴۔ سوٹی عقل والے کسان اور تاجر منتخب ہو جاتے ہیں۔ یا دوسرے لفظوں میں جاگیر دار اور سرمایہ دار برسر اقتدار آجاتے ہیں۔

۵۔ خطابت کے فن میں ماہر برسر اقتدار آجاتے ہیں۔

۶۔ ہجوم میں رہنے والے تنہا اور علیحدہ رہنے والوں سے زیادہ تشدد پسند اور ظالم ہوتے ہیں۔

تقریباً جمہوریت پر یہی بنیادی اعتراضات ہیں جو کم و بیش سب نے کیے ہیں ان اعتراضات کا جائزہ لینے سے قبل ہم جمہوریت کے دیگر معترضین کے اعتراضات کی بھی نشاندہی کر لیں تو بہتر ہے۔ تاکہ اس نظام پر اعتراضات اور اس نظام کے مقابل دوسرے نظامات کا جائزہ لیتے ہوئے بات واضح ہو سکے۔ ول ڈیورانٹ اپنی کتاب نشاط فلسفہ Pleasure of Philosophy میں مغربی جمہوریت کے المیہ پر رقمطراز ہے:

"جمہوریت جس نے انسان کو آزاد کرانے کی ٹھانی تھی خود ایک کل بن گئی جس نے بے ذہن اجتماع کو راتے دہندگی کا حق عطا کیا۔ ان کلوں اور آلوں کے خلاف فرد کا احتجاج اس قدر بے سود تھا جتنا کہ مشرق میں اجتماع کے خلاف فرد کی آواز۔ حتیٰ کہ قائدین بھی کلوں کے بے جان اور بے روح اجزا بن گئے جو اپنے فریب خوردہ پیروؤں کی طرح جنہیں انتخاب میں فقط گنا جاتا تھا، بے حس ہو کر رہ گئے۔"[۱۱۲]

دیکھیے ول ڈیورانٹ کو بھی وہی اعتراض ہے جو سقراط کر چکا ہے۔ کہ قوت فیصلہ اکثریت کے ہاتھ میں ہے۔ روسو جو جدید جمہوریت کے بانیوں میں سے تھا اسے بھی کثرت کے فیصلوں پر اعتراض تھا چنانچہ وہ کہتا ہے:

"If we take the term in its strictest sense, there never has existed nor ever will exist a true democracy. It is contrary to the nature of things that the many govern and the few be governed."

ڈاکٹر تحسین فراقی نے اپنی ایک مختصر سی کتاب "مغربی جمہوریت اہل مغرب کی نظر میں" کے اندر بڑے اہتمام کے ساتھ تمام بڑے بڑے مغربی مفکروں کے جمہوریت پر اعتراض کو نقل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا ہے۔ جن میں روسو، ہیٹشے، کارلائل، بیلک، ڈونلے اگنیشن، برنارڈ شاہ، لیکی، شپنگلر، لانس ایرک فرام، ہیرولڈ لاسکی، رینے گینوں، جوزف اے شمپیٹر اور برٹرینڈرسل جیسے مغربی مدبر آتے ہیں اور ابھی اور کتنے ہوں گے جنہوں نے جمہوریت پر اعتراضات وارد کیے مگر یہ کہنا پڑتا ہے کہ ان سب کے جمہوریت پر اعتراضات جمہوریت کے پہلے نقاد سقراط کے اعتراضات سے سوا اور کوئی اعتراض قابل ذکر اضافہ نہیں کرتے مثلاً کارلائل (۱۷۹۵ء - ۱۸۸۱ء) بھی احمقوں پر ایک مرد عاقل کو بھاری قرار دیتا ہے تو وہ بھی ایک مرد عاقل کا متلاشی ہے اور جمہوریت کو احمقوں کی حکمرانی قرار دیتا ہے۔ بیلک، ڈونلے اور برنارڈ شاہ بھی مرد عاقل کو اکثریت پر ترجیح دیتے ہیں اور جمہوریت کو متعدد نااہل لوگوں کے ذریعے منعقد ہونے والے الیکشن کے نتیجے میں چند بدعنوان لوگوں کے ذریعے تقرر کا دوسرا نام کہتے ہیں۔ لیکی بھی جب یہ کہتا ہے کہ اکثریت کو اقلیت کے خلاف لا کھڑا کرنا الیکشن ایجنٹ کا کام ہے۔ تو وہ بھی سقراط کے موقف ہی کی تائید کرتا ہے۔ اس کا اعتراض یہ بھی ہے کہ ووٹر وہ بالغ شعور نہیں رکھتے جو ووٹ دینے کے لیے لازم ہے۔ جمہوریت میں انتخاب صرف صاحب سرمایہ لڑ سکتا ہے یہ بھی ایک بڑا اعتراض ہے جو لیکی، شپنگلر، رسل، ایرک فرام اور شمپیٹر نے کیا اور کہا ہے کہ افلاس اور جمہوریت میں سمبندھ نہیں ہو سکتا۔ گویا الیکشن وہ اکھاڑہ ہے جس میں صرف جمہوریت ہی کود سکتی ہے۔ امریکی دانشور جوزف اے شمپیٹر اسے عوام کی منظوری سے قائم ہونے والی حکومت قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ عوام کی حکومت ہے بلکہ عوام کی منظوری سے قائم کردہ حکومت ہے۔ اس طرح ممتاز فرانسیسی دانشور رینے گینوں (۱۸۸۶ء - ۱۹۵۲ء) جنہوں نے اسلام قبول کیا اور جن کا نام عبدالواحد یحییٰ تھا اپنی کتاب Crisis of the Modern World میں جمہوریت پر اعتراض کرتے ہیں کہ عوام کا پست اور نچلا طبقہ اکثریت میں ہوتا ہے۔ لہٰذا گنتی سے بڑھیا کا صدور نہیں ہو سکتا تقریباً یہ وہی بات ہے جو سقراط نے کہی کہ جمہوریت میں موٹی عقل والے زمیندار اور تاجر اقتدار پر آجاتے ہیں اور عوام کی حکومت کا خواب مضحکہ خیز بن جاتا ہے[۱۱]۔ ڈاکٹر تحسین فراقی نے رینے گینوں کے اس اعتراض کو اپنی متذکرہ کتاب میں پوری طرح نقل کر دیا ہے۔ چنانچہ جمہوریت کے ان معترضین کی آرا زیادہ تر اسی کتاب سے ماخوذ ہیں جہاں یہ کسی حد تک یکجا ہیں۔ گئے اٹین (حسن عبدالحکیم اسلامی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نام) جو سوئٹزرلینڈ کے باسی تھے جمہوریت کی مادہ پرستی اور اکثریت کے گمراہ کن تصور پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

"رہا عوام کا مسئلہ تو وہ بے چارے گودی ووٹروں کی صورت میں بیلٹ پیپروں پر کسی ایسے شخص کی حمایت میں اس لیے نشان لگا دیتے ہیں کہ اس نے ان سے بہتر مکان اور ارزاں خوراک کا وعدہ کر لیا ہے۔"[۱۵]

جمہوریت میں اخلاقی قدروں کے فقدان اور اعلیٰ اخلاقی اصولوں کی پامالی پر پروفیسر محمد منور نے بھی اپنے ایک مقالے Iqbal's Idea of Democracy میں چند اہم اور بنیادی اعتراضات وارد کیے ہیں۔ ان اعتراضات میں امیدواروں کی طرف سے ووٹ حاصل کرتے اور ووٹروں کی طرف سے ووٹ دیتے وقت جو حرکات ہوتی ہیں ان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جن سے پورے معاشرے کا اخلاقی ڈھانچہ متاثر ہوتا ہے۔ پروفیسر صاحب کے یہ اعتراضات ظاہر ہے بڑے اہم اور درست ہیں۔ مغربی جمہوریت اپنے ہاں کی یہ تمام برائیاں اپنے نو آبادیاتی مقبوضات میں بھی چھوڑ آئی اور وہاں کے اخلاقی، معاشرتی اور سیاسی ڈھانچے توڑ پھوڑ دیے مگر اس نو آبادیاتی نظام سے آزاد ہونے والے ممالک نے اس مغربی تصور جمہوریت کی تنظیم چونکہ اپنے ثقافتی اور تہذیبی اصولوں کے تحت نہیں کی اور مغرب کے تجربات کو ایک تنقیدی روح کے ساتھ قبول کرنے کی بجائے اندھا دھند تقلید سے اپنایا۔ چنانچہ مغرب کی خوبیاں تو ہمارے ہاں رواج نہ پا سکیں لیکن وہاں کی تمام برائیوں کو ہم نے ضرور اپنا لیا شاید یکی اپنی پائیداری کی وجہ سے عوام میں سست رفتاری سے اور بدی اپنی ظاہری چمک دمک کی وجہ سے سرعت سے نفوذ کرتی ہے۔ چنانچہ پروفیسر محمد منور نے جمہوریت میں جس اخلاقی افلاس کا ذکر کیا ہے اس سے انکار ممکن نہیں کیونکہ مغربی جمہوریت واقعی اخلاقی قدروں سے بیگانہ ہے۔ پروفیسر صاحب لکھتے ہیں:

"But the glaring drawback that transpires is the non-visibillty of any moral fibre in this system. Rights are mentioned whereas the question of right and wrong is ignored. What sort of people as human beings are to be elected. Certainly they must be suitable individual.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

but are they suitable morally as well? What sort of people as human beings are those who elect their representatives? Are they upholders of human values and hence they elect those who have respect for what is good for humanity? Are they elected because they can spend lavishly on election campaign, can brow-beat others into voting for them on account of their muscles or just due to their positive capabilities? Does, in the Western Democracy, even legal equality prevail? Are there no racial and territorial prejudices at work? Does Western Democracy stand for teaching of man's respect for man and thus try to make human beings genuinely human? Does it create feelings of sympathy and sacrifice for others? It is quite obvious that Western Democracy is not essentially for forming a government of good people, elected by good people, for promoting good and making people good."

حقیقت یہ ہے کہ یہ اعتراضات ہر اس نظام پر کیے جا سکتے ہیں جو شعورِ نبوت سے محروم ہو۔ جمہوریت کے بالمقابل نظام خلافت، ملوکیت اور آمریت تو اخلاق کے تصور تک سے عاری ہیں۔ جمہوریت کی یہ خوبی تو ہے کہ اس میں انسانوں کو گنا تو جاتا ہے جبکہ جمہوریت کے سوا جو نظام ہیں ان میں تو انسانوں کو ہانکا جاتا ہے بے وقعت وحوش کی طرح۔ جمہوریت کے علاوہ اگر دیگر نظامات کی ہیت حاکمہ کی تشکیل کے طریق کار کو دیکھا جائے تو وہ جمہوریت سے کہیں زیادہ ظالم، کینہ پرور تنگ نظر اور اخلاقی قدروں کی دھجیاں اُڑاتے نظر آتے ہیں۔ تمام دنیا بھر کے جمہوریت پسندوں نے جتنے بھی جرائم کیے ہیں وہ ایک آمر کے مظالم سے اور جرائم سے بھی کہیں کم ہیں۔ اقتدار کی منتقلی کے طریقہ کار کی عدم موجودگی جس طرح اخلاقی برائیوں کو جنم دیتی ہے اس کی نظیر خود اسلامی ممالک میں بھی جا بجا موجود ہے۔ اقتدار کی منتقلی کے طریقہ کار کی عدم موجودگی سے ہی حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کا تنازعہ ابھرا اور حضرت معاویہؓ کے بعد ان کا بیٹا یزید اقتدار میں آیا اور اس کے عہد میں بیعت بالرضا (مرضی سے ووٹ) کی بجائے بیعت بالجبر سے کئی صحابہ کبارؓ اور نواسۂ رسولؐ اپنے پورے خاندان سمیت ملوکیت اور آمریت کی بھینٹ چڑھ گئے۔ اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے طریق بیعت کو انتخابِ خلیفہ میں ایک نظام انتقالِ اقتدار کے طور پر رائج کر دیا جاتا اور مؤثر رکھا جاتا تو ہو سکتا ہے کہ شہادت امام مظلومؓ کا حادثہ جانکاہ پیش نہ آتا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور خلافت بھی ملوکیت میں نہ بدلتی۔ جمہوریت کا بنیادی جوہر صرف راستے سے اقتدار کی منتقلی اور راستے سے معاشرے میں ہیئت حاکمہ کی تشکیل ہے۔ اس سے سوا اس سے کچھ طلب کرنا توقع سے زیادہ ہے۔ یہ اخلاقی قدروں کی پامالی کو معاشرے کے دیگر اخلاقی آئیڈیلز اور تہذیبی اور ثقافتی حدود و قیود کی مدد سے ہی روک سکتی ہے۔ اور اس کے لیے ہمیں اپنے مذہب سے رہنمائی لینی ہوگی اور جمہوریت کے مقاصد اور طریق کار کا تعین شعورِ نبوت کی روشنی میں کرنا ہوگا۔ پھر اس کے بعد جمہوریت اخلاقی قدروں کے زوال کی بجائے ان کے فروغ کا سبب بنے گی۔ جبکہ باقی تمام نظامات تو ہوتے ہی اخلاقی قدروں سے عاری ہیں۔ وہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے اصول پر کام کرتے ہیں۔ شرفِ انسانیت اور احترامِ آدمیت سے انہیں دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جمہوریت کی اسلامی اصولوں کی روشنی میں تنظیم نو کر کے اس کا اسلامی معاشرے پر اطلاق ہی منشائے اسلام ہے اور اس سے وہ رفتہ رفتہ "اچھے لوگوں کی حکومت، اچھے لوگوں کے ذریعے" منتخب شدہ حکومت اور نیکی کو فروغ دینے اور لوگوں کی فلاح پر توجہ دینے والی حکومت بن سکتی ہے۔ دوسرے کسی نظام سے یہ توقع خود فریبی ہے۔ اتفاقاً کبھی نیک آمر یا بادشاہ اپنے اقتدار کے زمانہ میں اگر لوگوں کی فلاح و بہبود میں دلچسپی لے تو اسے اتفاق ہی سمجھنا چاہیے۔ آمریت فسطائیت اور بادشاہت کے نظاموں سے تو توقع نہیں کی جا سکتی۔

اسی طرح لاسکی، ریپرڈ، ایوک فرام اور رسل کے جمہوریت پر اعتراضات کا لب لباب بھی یہی ہے کہ جمہوریت سرمایہ دارانہ طبقہ کا ایک کھیل ہے جس میں پریس، چرب زبانی اور دولت کے بل پر ایسے لوگ اقتدار پر آجاتے ہیں جو اس کے اہل نہیں ہوتے۔ یہی بات لارڈ رسل مختلف طریقوں سے بیان کرتا ہے۔ یوں جمہوریت کے متذکرہ تمام اعتراضات کا اگر تجزیہ کیا جائے تو یہ بات کہنا ہی پڑتی ہے کہ جمہوریت کے نقاد، اس کے اولین نقاد سقراط کے اعتراضات سے آگے نہیں بڑھ پائے۔ جبکہ جمہوریت کا یہ نظام ان اعتراضات کے باوجود ایک زبردست نظام کی صورت میں ارتقا کوشش چلا آرہا ہے۔ جمہوریت پر مختلف حلقوں کی طرف سے ایک اعتراض یہ ہے کہ جمہوریت ایک متنازعہ تصور ہے یہ بلاواسطہ، بالواسطہ، سماجی جمہوریت، معاشی جمہوریت، آئینی جمہوریت، اشرافیہ اور عوامی جمہوریت جیسے مختلف خلط ملط

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تصورات میں اُلجھی ہوئی ہے۔ اس کا کوئی واضح اور متشخص روپ نہیں۔ یہ اعتراض دراصل جمہوریت کی مختلف اقسام کو خلط ملط کرنے کا نتیجہ ہے۔ صدیوں کے جمہوری تجربے نے مختلف حالات اور مختلف معاشروں میں اس کی جو مختلف صورتیں ظاہر کی ہیں، وہ تو بجائے خود تعریف کے قابل ہیں کہ کوئی معاشرہ اپنے حالات کے مطابق ان میں سے جو صورت چاہے اختیار کر سکتا ہے۔ مگر جمہوریت کے بارے میں اس بنیادی موقف کے باوجود کچھ لوگ اس کی تعبیر اور اطلاق میں مختلف الرائے ہیں اور وہ انفرادیت کے نظریہ کے تحت تشکیل پانے والی جمہوریت پر معترض ہیں کہ مغربی انفرادیت کے نظریہ کا اطلاق محض سیاسی آزادی پر کیا جاتا ہے معیشت اور زندگی کے دیگر پہلوؤں کو جو پیدا تش دولت، تبادلہ دولت، صرف دولت اور تقسیم دولت سے متعلق ہیں انہیں نظر انداز کر دیا جاتا ہے ان کو محض اصول مسابقت کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں دولت چند ہاتھوں میں مارکس کے نظریہ قدر زر کے تحت مرتکز ہو کر ایک ایسا کردار سرانجام دیتی ہے جو نہایت مکروہ ہے۔ سرمایہ دار دولت کو آلہ استحصال کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ اور محروم دولت طبقات کو اس آلہ کی مدد سے اپنی مرضی کے مطابق ہانکتا ہے۔ چنانچہ وہ ریاست کے اقتدار پر بلاواسطہ یا بالواسطہ اختیار حاصل کر کے خود ریاست کو بھی بطور ایک آلہ جبر کے استعمال کرتا ہے۔ جس کی بنا پر سیاسی جمہوریت محض ایک نمائشی جمہوریت اور بے روح جمہوریت بن کر رہ جاتی ہے اور یہ بذاتہ کوئی مثبت نتیجہ پیدا نہیں کرتی۔ چنانچہ یہاں سے جمہوریت کو محض سیاست تک محدود کرنے کے خلاف ردعمل ہوا اور کہا جانے لگا کہ

> "مغربی جمہوریت اور اس کے ساتھ وابستہ تہذیب نے اخوت و مساوات انسانی کو ترقی دینے میں کچھ بھی نہیں کیا۔"[۱۷]

اس کی واضح طور پر وجہ یہ تھی کہ جمہوریت بے روح تھی۔ اس میں محض سیاسی حقوق کی بات کی گئی تھی اور معیشت کو عدم مداخلت یا دوسرے لفظوں میں مسابقت کی معیشت بنا دیا گیا تھا حکیم مغربی جمہوریت کے اس مزاج کا نقاد ہے اور کہتا ہے کہ

> "مغربی جمہوریتوں کا عام طور پر یہی انداز ہے۔ محض علمی استعداد یا اخلاقی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلندی اور حق گوئی کی بنا پر کسی شخص کا پارلیمنٹ میں گھسنا ایک ناممکن سی بات ہے جس پارٹی نے اپنے اغراض کی بنا پر جو پروگرام بنا رکھا ہے اس پر بے چون وچرا دستخط کیے بغیر کوئی منفرد آزاد انسان خواہ وہ امور سلطنت کا کتنا ہی ماہر کیوں نہ ہو۔ مجالس نواب کا ممبر نہیں بن سکتا ۔۔۔۔۔ اس کے باوجود عوام اس سے خوش اور مطمئن ہیں کہ حکومت ہماری ہے اور حکمرانوں کے انتخاب میں ایک خاکروب کا بھی ایک ووٹ ہے اور منتخب ہونے والے صدر جمہوریہ کا بھی ایک ہی ووٹ ہے یہ سطحی مساوات ایسی کامیابی سے فریب دہی کرتی ہے کہ کسی کو اس پر بے حقیقی ہونے کا شبہہ نہیں ہوتا۔" [۱۸]

مغربی جمہوریت میں اس "فریب دہی" کا باعث محض یہ ہے کہ مغرب نے اپنی جمہوریت میں سیاسی مساوات کو ہی درخورِ اعتنا تصور کیا۔ حالانکہ سیاسی جمہوریت اس وقت تک بے معنی اور لغو ہو جاتی ہے جب وہ معاشی پہلو میں جمہوریت کو مدنظر نہ رکھے چنانچہ

"مغربی جمہوریت اور مساوات کے مدعیوں نے محنت کشوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور محنت کشوں کو جو کچھ حاصل ہوا ہے وہ ان کی اپنی متحدانہ جدوجہد اور قربانیوں کا نتیجہ ہے۔" [۱۹]

نہ صرف یہ کہ اس جمہوریت نے آزادانہ معیشت کے تصور کے ساتھ اپنے سماج کے اہم رکن آجیر کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور اس کے حقوق کو ہر طرح سے پامال کیا ہے۔ اس سے سوا بھی اس جمہوریت کے برگ وبار کی صورت میں عالم انسانیت کو دو خوفناک عالمگیر جنگوں سے دوچار ہونا پڑا اس کی وجہ وہ تنگ نظری اور قومی تعصب تھا جو اس جمہوریت سے غذا پاتا رہا اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ مغربی جمہوریت کسی نظریاتی اساس پر استوار نہیں ہوتی تھی۔ اس کا ہیولا نسلی تفاخر پر قائم کیا گیا تھا چنانچہ

"مغربی جمہوریت کے ساتھ ساتھ متعصبانہ قوم پرستی بھی ترقی کرتی گئی، حکمت وصناعی اور تجارت ایک قوم کو دوسری اقوام سے قوی تر کرنے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں حرف کی گئیں۔ حکمت نے ہلاکت کے آلات پیدا کرنے میں دوسروں
پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کی اور صناعی اور تجارت بھی ایک
طرح کی قزاقی ہو کر رہ گئی۔"[۱]

مغرب کی اس جمہوریت نے عالمگیر پیمانے پر خارجی سطح پر ظلم و استحصال پر مبنی نو آبادیاتی نظام کو جنم دیا اور داخلیت میں اس نے جمہوریت گریز رجحانات کو راہ دی۔ اس کی اولین صورت تو قومی سوشلزم کی تھی جو ہٹلر اور مسولینی کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ اس قومی سوشلزم کے تحت وجود پانے والی قومی جمہوریت سے ٹکر اکر قومی جمہوریت کی نو آبادیاتی گرفت کو دھچکا لگا۔ گرچہ مغربی جمہوریت قوی تر ہونے کی بنا پر قومی جمہوریت کے تحت متشکل ہونے والی ریاستوں کو نگل گئی اور گرچہ خود یہ قومی جمہوریں اس بدترین قسم کی آمریت میں ڈھل گئی تھیں مگر ان کا یہ کارنامہ ہے کہ انہوں نے عالم انسانیت کے ایک بہت بڑے حصہ کو مغربی جمہوریت کے استبدادانہ استحصالی نو آبادیاتی نظام کے چنگل سے نکالا۔ دوسرا ردعمل اس مغربی جمہوریت کے خلاف اور اس کے معاشی ڈھانچہ آزاد مسابقت کے خلاف ہوا۔ جو مغربی ملوکیت، مغربی سرمایہ داری، مغربی جاگیرداریت، مغربی اخلاقیات، عمرانیات اور مذہبیت کے خلاف تھا۔ اس نے مغربی قومیت کے تصور کی نفی کی اور اپنی اساس عالمگیریت پر رکھی چونکہ یہ ردعمل مغربی جمہوریت کے سیاسی، معاشی، اخلاقی، عمرانی، مذہبی اور نظریاتی سطحوں پر بھرپور تھا اور اس ردعمل کی باگ ڈور مارکس اور اینگلز جیسے بیدار مغز مفکرین کے ہاتھ میں تھی لہٰذا یہ ردعمل زیادہ مستحکم اور پائیدار ثابت ہوا اور اب مغربی جمہوریت کا محاربہ اس سے ہے۔ مگر جیسا کہ روس کا تجربہ شاہد ہے۔ یہ نظام جن بنیادوں پر ترویج پایا ہے اس نے روس اور چین جیسے اشتراکی ممالک کو بہت تھوڑے عرصہ میں مغربی جمہوریت کے مادی طور پر مقابل تو کسی حد تک لا کھڑا کیا ہے مگر یہ تجربہ بھی انسانیت کو کچھ کم مہنگا نہیں پڑا۔ حکیم روسی اشتراکیت کی مغربی نظام جمہور کے خلاف بغاوت اور اس کے نتائج کا تجزیہ کرتا ہے:

"روس نے بھی مغربی جمہوریت کے خلاف بغاوت کی اور محنت کشوں
کی حمایت میں ایک آمرانہ نظام قائم کیا۔ اس نے بہت سے بت توڑے
لیکن انسانوں کی آزادی کو سلب کرنے اور مادیت کو دین بنانے کی وجہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے وہ خود ایک مردم خور دیوتا بن گئی۔"[۴۱]

اکثر لوگ علامہ اقبال کو اشتراکیت کا مداح سمجھتے ہیں[۴۲]۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ علامہ مرحوم مسلمانوں کے لیے بھی تھوڑے بہت رد و بدل کے ساتھ اسی نظام کے داعی تھے۔ مگر صورت حال اس کے برعکس ہے۔ علامہ اقبال نے اشتراکیت کی جس مفہوم میں تعریف کی ہے وہ خلیفہ عبدالحکیم کے الفاظ میں یوں ہے:

"اقبال نے جا بجا اشتراکی انقلاب کے ایجابی پہلو کی داد دی ہے اور اسے ارتقائے انسانی کا ایک اقدام قرار دیا ہے۔ اقبال کو افسوس ہے کہ اشتراکیت نے خورش، پوشش اور رہائش کے مساویانہ نظم و نسق کو مقصودِ حیات قرار دیا اور انسانیت اور الوہیت کے رموز سے بیگانہ رہی مغربی جمہوریت کے خلاف یہ ردِ عمل ادھورا رہ گیا۔ اشتراکیت نے اگر روحانیت کے تمام راستے روک دیے تو یہ بھی نوعِ انسان کے لیے آفت بن جائے گی۔ بہرحال جو معاشی انقلاب اس کی بدولت ہوا وہ قابلِ ستائش ہے اور اقبال کے نزدیک انسان کی مزید ترقی کے راستے سے اس کی بدولت بہت سی رکاوٹیں دور ہو گئی ہیں۔"[۴۳]

علامہ اقبال اور اس کے اتباع میں خلیفہ عبدالحکیم بھی اشتراکیت کے ایجابی پہلو کی ہی داد دیتا ہے مگر اشتراکیت کا وہ نقاد کہیں کہیں اقبال سے بھی زیادہ شدید ہے۔ اشتراکیت نے مغربی جمہوریت کو جس دعوے کے ساتھ رد کیا تھا اور جس کو کمال تک پہنچانے کی وہ مدعی تھی۔ اس میں اس کی ناکامی اور اس ناکامی کے بعد آگے بڑھنے کی تحریک حکیم، اقبال کے حوالے سے یوں دیتا ہے:

"اشتراکی کہتے ہیں کہ مغربی جمہوریت ادھوری تھی، ہم نے اس کو کمال تک پہنچایا ہے۔ اقبال کہتا ہے کہ تمہاری جمہوریت بھی انسانیت کے امتیازی جوہر کو اجاگر نہ کرنے کی وجہ سے اور حاضر پرستی اور مادہ پرستی کے سبب ابھی ادھوری ہی ہے جو کچھ تم کر چکے ہو وہ خوب ہے لیکن اب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے آگے تو بڑھو۔"[۲۴]

لیکن اشتراکیت میں آگے بڑھنے کی سکت نہیں ہے۔ اشتراکیت میں آگے بڑھنے کی ہر کوشش "ترمیم پسندی" کی گالی سے ملعون کی جاتی ہے۔ اشتراکیت خود ایک عسکری سامراجیت میں تبدیل ہو چکی ہے[۲۵] اور فکری طور پر یہ بدترین جمود اور اندھی تقلید پرستی کی شکار ہو چکی ہے۔ اس اندھی تقلید پرستی اور شخصیت پرستی نے اس تخلیقی حسن کو مجروح کر دیا ہے جو کسی نظام کے ارتقاء اور اس کو زندہ رکھنے کے لیے لازم ہوتا ہے۔ عقیدہ پرستی، تقلید پسندی اور شخصیت پرستی کے سبب اشتراکیت خود ایک ایسے مذہب میں تبدیل ہو چکی ہے جس میں انقلابی جست لگانے اور سماج کو فروغ و ترقی کی منزل کی راہ سمجھانے کی ہمت نہیں رہی۔

انفرادیت کے تحت وجود پذیر ہونے والی مغربی جمہوریت اور اجتماعیت کے تصور کے تحت متشکل ہونے والی اشتراکی جمہوریت کے انتہا پسندانہ بلکہ متشددانہ رویوں کی ناکامی اور انسانی مسرت کے حصول میں اس کی ناکامیابی کی بنا پر ہم ان نتائج پر پہنچتے ہیں کہ یہ نظامات مسلمانوں کے لیے خصوصاً اور پوری دنیا کے انسانوں کے لیے عموماً زہرناک ہے۔ ان دونوں نظاموں کے تجزیے کے بعد جب ہم اسلام میں انفرادیت اور اجتماعیت دونوں کے محاسن کا توازن اور ان کی خوبیوں کی ہم آہنگی محسوس کرتے ہیں تو ہمیں یہی نظام صائب نظر آتا ہے جہاں انسانی فطرت کا لحاظ رکھا گیا ہے تاہم اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلام اشتراکیت اور سرمایہ داریت کی ترکیب ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام چونکہ دین فطرت ہے لہٰذا اس کی انسان کی فطرت کے مطابق تشکیل ہوئی ہے اور اس نظام میں دونوں نظاموں کے محاسن سموئے گئے ہیں۔ اسلام میں اشتراکیت اور انفرادیت کے محاسن کے سوا بھی خوبیاں ہیں اور ایک ایسا نقطۂ نظر اختیار کیا گیا ہے جو انسان کو اس کائنات میں ایک بہترین نظام حیات کی تشکیل میں اہم رہنمائی دیتا ہے۔ ان متذکرہ نظاموں کی انتہا پسندی اور اعتدال کی نسبت ابتذال کی طرف جھکاؤ نے انہیں حسرت ناک ناکامی سے دوچار کیا ہے۔ چنانچہ انسانی فطرت اور اس کی ضروریات کے پیش نظر دونوں ہی نظام ادھوری جمہوریت کے علمبردار ہیں۔ مغربی جمہوریت محض سیاسی مساوات کی قائل ہے اور اشتراکی جمہوریت صرف اقتصادی جمہوریت کی خود کو ضامن سمجھتی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ سچی اور حقیقی جمہوریت سے دونوں کا دامن تہی ہے۔

"بہر حال حقیقت یہ ہے کہ دین کی طرح جمہوریت بھی ایک نصب العین ہے۔ کامل جمہوریت ابھی کہیں بھی نہیں۔"[۲۶]

مغربی مفکرین نے انفرادیت اور اجتماعیت کی بنا پر جمہوریت کی مختلف صورتیں متعین کی ہیں مگر ان تمام کا مزاج جزوی ہے یہی وجہ ہے کہ مغربی ممالک میں جمہوری معاشرہ بہت سے فائدوں کے ساتھ ساتھ کئی ایک نقصانات کو بھی سامنے لایا ہے۔ اگر سرمایہ دارانہ انفرادیت اور اشتراکی اجتماعیت پسندی کے مابین اسلام کی راہ اعتدال اپنا کر جمہوریت کی تشکیل کی جائے تو ہم بہت سے نقائص سے پاک ایک ایسا جمہوری معاشرہ تشکیل دے سکتے ہیں جن میں ان کا مقدر محفوظ ہو اور وہ انسانی کمال کے تصور کو پا سکے۔

مغربی مفکرین کے ساتھ ساتھ مشرقی مفکرین میں سے بھی بہت سے لوگوں نے جمہوریت پر اعتراضات وارد کیے ہیں اور ان کی قباحتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مگر کسی بھی بڑے مفکر نے جمہوریت کو کلی طور پر رد نہیں کیا بلکہ اس تصور کو اپنے مبنی تصورات کے مطابق تشکیل دینے پر اصرار کیا ہے۔ برصغیر پاکستان و ہندوستان کے لوگوں میں سے جس کو جمہوریت کا سب سے بڑا مخالف گردانا جاتا ہے وہ حضرت علامہ محمد اقبال ہیں چنانچہ ان کے اشعار کے حوالے سے جمہوریت کے خلاف ان کے دلائل بیان کیے جاتے ہیں اور اس چیز کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ علامہ اقبال جمہوریت کے زبردست نقاد ہونے کے باوجود عہد جدید میں مسلمانوں کے لیے جمہوریت کو ہی سب سے بہترین لائحہ عمل کے طور پر گردانتے ہیں ذیل میں ہم علامہ اقبال کے جمہوریت پر اعتراضات اور ان اعتراضات کی نوعیتوں کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ علامہ کا موقف درست طور پر سمجھا جا سکے۔

علامہ اقبال کے جمہوریت پر اعتراضات

تصورات اقبال میں ہی نہیں عام طور پر بھی جمہوریت ایک ایسا متنازعہ تصور ہے جسے گہری نظر سے دیکھا جانا چاہیے۔ علامہ اقبال کی شاعری اور نثر میں ایسے شواہد بھی موجود ہیں جن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے علامہ اقبال کی طرف سے جمہوریت کے تصور کی شدید مخالفت ظاہر ہوتی ہے۔ خصوصاً مغربی جمہوریت کے موجودہ معروف تصور کے علامہ زبردست نقاد تھے۔ انہوں نے جمہوریت کے اس مغربی تصور کے کئی بنیادی نقائص کی نشاندہی کی ہے تاہم یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ علامہ اقبال جمہوریت کے صرف معروف اور غلط عام مغربی تصور کے ہی مخالف تھے اور وہ بھی برصغیر کی اس خاص صورت حال میں جہاں مسلمان اقلیت میں تھے اور ہندو اکثریت میں، جمہوریت کے مغربی تصور کی مخالفت میں یہ بات بھی علامہ کے پیش نظر تھی کہ متحدہ ہندوستان میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور ہندو اکثریت میں، اگر جمہوریت کا مغربی نظام نافذ کیا گیا تو اس کا مطلب ہندو اکثریت کا اقتدار اور مسلم اقلیت کی دائمی غلامی ہوگا۔ علامہ اقبال کی جمہوریت کی مخالفت میں اسے فراموش نہیں کیا جانا چاہیے تاہم مسلم اور غیر مسلم کے ایک مخلوط معاشرے سے ہٹ کر ایک جدید اسلامی معاشرے میں بھی کیا خالصتاً مغربی جمہوریت قابل قبول ہے تو اس کا جواب بھی علامہ کے ہاں تقریباً نفی میں ہے۔ مگر علامہ اقبال نے اپنے تصور اجتہاد اور روحانی جمہوریت کے حوالے سے جس نظام حکومت کو مسلمانوں کے روحانی استخلاص کے لیے ناگزیر قرار دیا ہے اس کی روح جمہوری یعنی اسلامی جمہوری شورائیت ہے۔ مغربی جمہوریت میں اقتدار اعلیٰ کے مالک عوام ہیں اور وہ اپنے سوا کسی اور کے سامنے جواب دہ نہیں مگر علامہ اقبال کی روحانی جمہوریت میں اقتدار اعلیٰ صرف خدا ہی کو زیبا ہے اور مسلمان خدا کے نائب ہونے کی حیثیت سے اس اقتدار اعلیٰ کے امین ہیں۔ وہ باہمی رائے، طریق انتخاب یا آج کی زبان میں ووٹ کے ذریعے ایک ایسا ادارہ تشکیل دینے کے مجاز ہیں جو ان کے اپنے معاملات کو خدا اور اس کے رسولؐ کے حکم کے مطابق چلائے۔ اس طرح علامہ اقبال اسلامی معاشرے کے لیے اسلام کے تصور شورائیت کے حوالے سے مسلمان عوام کے انتخاب اور کثرت رائے سے ایک ایسی پارلیمنٹ یا منتخب مجلس شوریٰ کے قیام کے زبردست حامی ہیں جو معاشرے میں عدل و انصاف اور خوش حالی لانے کے لیے اجتہاد کی عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق جدید تعبیرات کرے اور مسلمانوں کو عہد حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کر سکے۔ اقبال کا روحانی جمہوریت کا تصور یہی بنیادی نقطہ ہے۔ ذیل میں ہم انہی اساسی تصورات کی توضیح علامہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد اقبال کے حوالے سے کرتے ہیں۔

مغربی جمہوریت کے تصور پر علامہ اقبال نے اپنے کلام میں جو بنیادی اعتراضات کیے ہیں وہ ان اعتراضات سے مختلف نہیں جو سقراط کو تھے۔ علامہ محمد اقبال نے جمہوریت کی تنقیص میں فرمایا:

ہے وہی ساز کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیو استبداد، جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری!
مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری
گرمی گفتار اعضائے مجالس الاماں
یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری
اس سراب رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو
آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو[۲۷]

متاع معنی بیگانہ از دوں فطرتاں جوئی
زموراں شوخیٔ طبع سلیمانے نمی آید!
گریز از طرز جمہوری، غلام پختہ کارے شو
کہ از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید[۲۸]

نہ رنگ آئین جمہوری نہاد ست
رسن از گردن دیوے کشاد است
چو رہزن کاروانے در تگ و تاز
شکم ہا بہر نانے در تگ و تاز

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گرد ہے راگرد ہے درکمین است
خدایش یار اگر کارش چنین است

زمن وہ اہلِ مغرب را پیامے
کہ جمہور است، تیغ بے نیامے [۲۹]

اس راز کو اک مردِ فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے [۳۰]

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر [۳۱]

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر [۳۲]

اُٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

الیکشن، ممبری، کونسل، صدارت
بنائے خوب آزادی نے پھندے

میاں نجار بھی چھیلے گئے ساتھ
نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے [۳۳]

یہاں مرض کا سبب ہے غلامی و تقلید
وہاں مرض کا سبب ہے نظامِ جمہوری [۳۴]

لیجیے علامہ اقبال کے فارسی اور اردو کلام میں جمہوریت پر اعتراض کو ظاہر کرنے والے اشعار ہم نے یکجا کر دیے ہیں تاکہ جذباتیت اور شوخیٔ بیان سے ہٹ کر ٹھوس بنیادوں پر علامہ کے ان اعتراضات کی تفہیم حاصل کی جا سکے جو انہیں جمہوریت پر تھے۔ چنانچہ ان اشعار

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے پس منظر سے مندرجہ ذیل اعتراضات اُبھرتے ہیں۔

۱۔ مغرب کا جمہوری نظام یورپ کی پرانی قیصریت یا بادشاہی نظام کی ہی ایک صورت ہے اور اس نظام کے پردے میں یورپ کا پرانا سرمایہ دارانہ استبدادی نظام کارفرما ہے۔ لہٰذا اس نظام میں آزادی ایک التباس کے سوا کچھ نہیں۔

۲۔ پارلیمنٹ یا مجلس آئین ایک مجلس مباحثہ اور سرمایہ داروں کے اپنے مفادات کا تحفظ کرنے والا ایک ادارہ ہے۔

۳۔ جس طرح دو سو گدھوں کے دماغ جمع کرنے سے ایک انسانی دماغ وجود میں نہیں آسکتا اسی طرح عوام کی اکثریت سے ایک مرد عاقل یا علامہ کے الفاظ میں فرد مصدقہ وجود میں نہیں آسکتا۔ ایسے جمہوری نظام سے بچنا چاہیے۔ جہاں کثرت رائے سے فیصلے ہوتے ہیں اور مرد عاقل یا مرد مومن کی تلاش نہیں ہوتی۔ جمہوریت ایک ایسا نظام حکومت ہے جس میں افراد کی اکثریت فیصلہ کرتی ہے۔ افراد کی اہلیت کو مدنظر نہیں رکھا جاسکتا۔ حالانکہ ایک مرد دانا کئی ہزار افراد سے زیادہ مؤثر اور بہتر ہوتا ہے۔

۴۔ جمہوریت کا چہرہ تو روشن ہے مگر ان کا اندرون چنگیز کی طرح تاریک ہے۔ یورپ نے انسان کی بیداری کی وجہ سے شہنشاہیت کو جمہوریت کے نئے روپ میں پیش کیا ہے۔ جمہوریت کے ادارے الیکشن، کمیری کونسل اور صدارت وغیرہ نئی تہذیب کے گندے انڈے ہیں اور یورپ نے آزادی کے نام پر بھندے بنا رکھے ہیں۔

۵۔ علامہ فرماتے ہیں کہ اہل مشرق کا دُکھ یہ ہے کہ وہ تقلید پر ریجھے ہوتے ہیں۔ اور مغرب کے جملہ امراض کا سبب یہی جمہوریت ہے۔ جس میں افراد کو تولنے یعنی ان کی اہلیتوں کو مدنظر رکھنے کی بجائے ان کی تعداد کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔

علامہ کے جمہوریت پر اعتراضات پر غور کیا جائے تو اس بات کا احساس ہوگا کہ علامہ اقبال کے بھی جمہوریت پر وہی اعتراضات ہیں جو سقراط یا دیگر جمہوریت کے نقادوں نے اٹھائے ہیں۔ ان اعتراضات کا تجزیہ کرنے سے پیشتر علامہ اقبال کے جمہوریت پر اعتراضات کے بارے میں ایک بنیادی بات عرض کرنا چاہتے ہیں کہ جمہوریت کی مخالفت کے پیچھے علامہ کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک نفسیاتی اُلجھن تھی اور اس کا تعلق اس عہد کی ایک خاص سیاسی صورت حال سے تھا جس میں علامہ زندہ تھے۔

جمہوریت پر علامہ اقبال کے اعتراضات کا پس منظر

علامہ اقبال کے عہد میں جمہوریت، جمہوری تصورات، ایک فرد ایک ووٹ، حق رائے دہی مخلوط اور جداگانہ انتخاب کے تصورات بڑی تیزی سے مغرب سے مشرق میں داخل ہو رہے تھے۔ اور وہ روز بروز مقبول ہو رہے تھے۔ برصغیر میں صورت حال یہ تھی کہ برطانوی اصلاحات کے نتیجے میں برصغیر کی تمام چھوٹی بڑی اقوام کو ہندو کہہ دیا گیا تھا۔ اس طرح برصغیر کی مختلف اقوام کو اکٹھا کر کے انہیں ہندو بنا کر اکثریتی قوم بنا دیا گیا۔ حالانکہ اصل ہندو برصغیر میں اقلیت میں تھے۔ اس سے ہندو اکثریت میں اور دوسری اقوام اقلیت میں بدل گئیں۔ ان میں برصغیر کی ایک حکمران قوم مسلمان بھی تھی۔ مسلمانوں کے اقلیت میں بدل جانے کا مطلب یہ تھا کہ اگر برصغیر آزاد ہوتا ہے تو ایک فرد ایک ووٹ کے تحت برصغیر کا اقتدار ہندو اکثریت کو منتقل ہوتا اور مسلمان اقلیت میں ہونے کی وجہ سے محکوم ہو جاتے چنانچہ علامہ اقبال نے ایک اسلامی ریاست کی مجلس شوریٰ یا پارلیمنٹ کے لیے اجتہاد کے حق کی حمایت کی مگر متحدہ ہندوستان میں وجود میں آنے والی ایک غیر مسلم اکثریت کی پارلیمنٹ کے لیے ایسے حق کی حمایت نہیں کی اور واضح طور پر فرمایا:

> "میرے نزدیک یہی ایک طریقہ (پارلیمنٹ کے اجتہاد کا) ہے جس سے کام لے کر ہم زندگی کی اس روح کو جو ہمارے نظامات فقہ میں خوابیدہ ہے از سر نو بیدار کر سکتے ہیں۔ یونہی اس کے اندر ایک ارتقائی مطمع نظر پیدا ہو گا ہندوستان (ہندو اکثریت اور مسلم اقلیت والے ہندوستان) میں البتہ یہ امر کچھ ایسا آسان نہیں کیونکہ ایک غیر مسلم مجلس (پارلیمنٹ) کو اجتہاد کا حق دینا شاید کسی طرح ممکن نہ ہو۔"[۲۵]

یہ اقتباس علامہ کے اس ذہن کی عکاسی کرتا ہے کہ متحدہ ہندوستان میں وہ کسی ایسے نظام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہاں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اگر خلافت کا نظام جاری رہتا تو امور مملکت اور انفرادی زندگی کے بارے میں قرآن وسنت سے ہدایات یافتہ کا استنباط خلافت کے تحت تشکیل پانے والی مجلس شوریٰ یا قانون ساز ادارے کرتے اور یوں اجتماعی سطح پر ایک قانون فقہ وجود میں آتا جو سب کو قبول ہوتا اور وہ کتابوں میں بند ہونے کی بجائے اسلامی معاشرے میں نافذ العمل ہوتا خلافت کے ادارے کے اپنی اصل روح میں ڈھیر ہو جانے سے انفرادی طور پر آئمہ امت نے قرآن وسنت سے استنباط فقہ کیا لہٰذا ایک تو وہ متفق علیہ کبھی نہ رہا دوسرے وہ مکمل طور پر کہیں بھی نافذ نہ ہوا تیسرے اس سے فقہی اور فرقہ دارانہ گروہ بندیاں پیدا ہو گئیں جس سے مسلمانوں میں قانونی اور فقہی اختلافات کا ایسا پنڈورا باکس کھل گیا جو بند ہونے میں نہیں آتا چنانچہ مسلمانوں میں فرقہ بندی یا فرقہ دارانہ انارکی کی سب سے بڑی وجہ ان انفرادی فقہوں کا ظہور ہے جس کا سبب خلافت کے ادارے کا خاتمہ بالخیر تھا جس کی روح تو اموی دور میں مر چکی تھی البتہ اس کا نام زندہ تھا۔ جس کو بطور ایک خوبصورت اور مسلمانوں کے لیے قابل قبول لیبل کے اموی، عباسی اور دیگر موروثی بادشاہوں نے اپنے اوپر مصنوعی طور پر چسپاں رکھا تھا۔ یہ لیبل مسلمانوں کو اتنا عزیز تھا کہ ترکی میں جب مسلمانوں کی خلافت کے ادارے کو ضعف پہنچنے لگا تو برصغیر کے مسلمانوں نے اس کے لیے پوری تحریک چلادی اور اس کو بچانے کے لیے ترکی جانے پر آمادہ ہو گئے تاہم خلافت کا یہ لیبل کمال اتاترک نے ہمیشہ کے لیے اتار دیا۔

خلفائے راشدین سے اموی اور عباسی خلفاء تک خلافت سے ملوکیت تک سفر کے المیہ کا علامہ اقبال جس طرح تجزیہ کرتے ہیں اس سے ایک آزاد اور خود مختار مقننہ کے لیے ان کی آرزو دیکھی جا سکتی ہے۔ علامہ فرماتے ہیں:

"خلیفہ چہارم کے عہد میں جب اسلام میں مطلق العنان ملوکیت نے سر اٹھایا تو یہ اس کے مناد کے خلاف تھا کہ اجماع کو ایک مستقل تشریعی ادارے کی شکل دی جاتی، اموی اور عباسی خلفاء کا فائدہ اسی میں تھا کہ اجتہاد کا حق بحیثیت افراد مجتہدین کے ہاتھ میں رہے، اس کی بجائے کہ اس کے لیے ایک مستقل مجلس قائم ہو۔ جو بہت ممکن ہے انجام کار ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے بھی زیادہ ملاقت حاصل کر لیتی۔"[۲۷]

یعنی علامہ کی نظر میں مستقل مجلس قانون ساز یا مجلس اجتہاد کا قیام روکنا مسلم ملوکیتوں کا کارنامہ ہے۔ اب جو علامہ کے کلام سے مجلس قانون ساز (پارلیمنٹ) کے قیام کی مخالفت لاتے ہیں کیا وہ آمروں یا ملوکیتوں کی حاشیہ برداری نہیں کر رہے تو وہ اور کیا خدمت بجا لا رہے ہیں علامہ تو مسلمانوں کے مسئلے کا حل ہی یہی قرار دیتے ہیں کہ

"بحالت موجودہ تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ امم اسلامیہ میں ہر ایک کو اپنی ذات میں ڈوب جانا چاہیے۔ اپنی ساری توجہ اپنے آپ پر مرتکز کر دیں حتیٰ کہ ان سب میں اتنی طاقت پیدا ہو جائے کہ باہم مل کر اسلامی جمہوریتوں کی ایک برادری کی شکل اختیار کر لیں۔"[۲۸]

علامہ اقبال کے اس اقتباس سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ چاہتے تھے کہ حالت موجودہ میں پوری دنیا کے مسلمان اپنے اپنے ہاں اسلامی جمہوریت کو قائم کریں۔ اور اپنے ہاں ایک سیاسی اور اجتماعی ہیئت حاکمہ تشکیل دیں اور پھر مختلف اسلامی ممالک کی یہ جمہوریتیں آپس میں ایک ایسی ہیئت اجتماعیہ تشکیل دیں جس سے پوری دنیا کے مسلمانوں کا اتحاد وجود میں آئے۔ مسلمانوں کی ایک دولت اقوام یا مسلمانوں کا ایک متحدہ نظام حکومت۔ جس میں تمام مسلمان ممالک انفرادی طور پر آزاد ہوں، انہیں اندرونی خود مختاری حاصل ہو اور اجتماعی طور پر وہ ایک دوسرے کے ساتھ باہم متحد ہوں۔ مشترکہ دفاع، مشترکہ صنعت کاری، بین التجارت اور بنکاری میں پیش رفت کے منصوبے، تعلیم، مواصلات، ذرائع ابلاغ، تجارت اور دیگر زندگی کے میدانوں میں وہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں تاکہ اندر سے مسلمان ممالک خود مختار ہوں تو باہر سے وہ ایک متحدہ بلاد اسلامیہ نظر آئے۔ اور اس طرح پوری دنیا میں مسلمانوں کے اتحاد کا عملی مظاہرہ ہو اور وہ دیگر اقوام کے مقابلے میں از خود اپنا دفاع کر سکیں اور دنیا میں موثر قوت کے طور پر ابھر سکیں۔

علامہ تو اس بات کے بھی قائل ہیں کہ:

"قرآن پاک کا یہ ارشاد کہ زندگی ایک مسلسل تخلیقی عمل ہے بجائے خود

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس امر کا متقضی ہے کہ مسلمانوں کی ہر نسل اسلاف کی رہنمائی سے
فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے مسائل آپ حل کرے، یہ نہیں کہ اسے اپنے
لیے ایک روک تصور کرے۔" ۳۸-الف

ان دو اقتباسات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علامہ چاہتے تھے کہ فقہ کو مسلمانوں کی موجودہ زندگی بسر کرنے میں روک نہیں بننا چاہیے بلکہ جہاں ضرورت ہو اس کی جدید عصری تقاضوں کے مطابق تشریح و تعبیر کی جانی چاہیے۔ اور اس سلسلے میں اسلاف سے جس قدر راہنمائی میسر آتے اسے استعمال کرنا چاہیے یعنی نئی تشکیل فقہ میں کسی منہاج کا تعین کرتے وقت اسلاف کے تجربوں کو مدِ نظر رکھنا مناسب ہے تاہم ان سے اختلاف کرنے میں بھی کوئی برائی نہیں۔ دوسرے علامہ چاہتے تھے کہ تمام مسلم ممالک اپنے اپنے ہاں مجالس قانون ساز تشکیل دیں اپنے حالات کے مطابق فقہ کی تعبیرات کریں۔ اور ایک دوسرے کے تجربات سے استفادہ کریں اور پھر سب مل کر اسلامی جمہوریتوں کا ایک وفاق یا نظام قائم کریں بلادِ اسلامیہ کے اتحاد کی راہ ہموار کریں۔ یہ ان کے نزدیک عہد جدید میں ایک عملی اور مثالی صورت حال تھی جو مسلمان اختیار کر سکتے تھے اور کر سکتے ہیں۔ یہی علامہ کے نزدیک عہد حاضر میں اسلام کی حیات نو کا تقاضا ہے۔

"اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ شاید ہم مسلمانوں کو بتدریج سمجھا رہی ہے کہ
اسلام نہ تو وطنیت ہے نہ شہنشاہیت بلکہ ایک انجمن اقوام" ۳۹

اب علامہ ترکوں کے اجتہاد کے حوالے سے اسلامی ریاستوں کے لیے جمہوریت کو ناگزیر قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"جہاں تک مسئلہ خلافت کا تعلق ہے مجلس ملیہ نے اپنا حق اجتہاد کس
طرح استعمال کیا۔ سنی نقطہ نظر سے خلیفہ یا امام کا منصب چونکہ ایک امر
واجب ہے لہٰذا اس سلسلے میں سب سے پہلا یہ سوال پیدا ہوتا ہے
کہ منصب خلافت کیا کسی فردِ واحد کا حق ہے؟ ترکوں کا اجتہاد یہ ہے
کہ اسلامی تعلیمات کی رُو سے تو اس منصب کو افراد کی ایک جماعت،
بلکہ ایک منتخب شدہ مجلس کے ذمے بھی کیا جا سکتا ہے۔ اب جہاں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تک میری معلومات کا تعلق ہے ہندوستان اور مصر کے علما نے اس سلسلے میں ابھی تک کوئی رائے ظاہر نہیں کی۔ اپنی ذاتی حیثیت سے البتہ میرا خیال ہے کہ ترکوں کا یہ نقطۂ نظر سرتاسر درست ہے، اتنا درست کہ اس کی تائید میں کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں رہتی اس لیے کہ ایک تو جمہوری طرزِ حکومت اسلام کی روح کے عین مطابق ہے۔ ثانیاً ان قوتوں کا بھی لحاظ رکھ لیا جائے جو اس وقت عالمِ اسلام میں کام کر رہی ہیں تو یہ طرزِ حکومت اور بھی ناگزیر ہو جاتا ہے۔"[۱۰۴]

علامہ کے اس نشان زدہ واضح موقف کے بعد اور کون سی دلیل لانا مقصود ہے جس سے علامہ کے جمہوری نظریات مترشح ہو سکیں۔ جہاں علامہ جمہوری طرزِ حکومت کو واضح طور پر اسلام کی روح کے عین مطابق قرار دیتے ہوئے اسے عصرِ حاضر میں ناگزیر قرار دے رہے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر فقہ اسلامی کی جرأت سے تعبیر کو ضروری قرار دے رہے ہیں۔ اور واضح طور پر فرما رہے ہیں:

"ہمیں چاہیے فقہ اسلامی کی تشکیلِ نو میں جرأت سے کام لیں، لیکن یہ کام محض اس زمانے کے احوال و ظروف سے مطابقت پیدا کرنے کا نہیں ہے بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ اہم۔"[۱۰۵]

علامہ صرف یہی نہیں چاہتے تھے کہ جدید عصری تقاضوں کے مطابق اسلام کو ڈھالا جائے بلکہ وہ ایک ایسی بصیرت مسلمانوں میں دیکھنا چاہتے تھے جو اسلام کے اصولوں کی اس طرح تعبیرات کرے جس سے مسلمانوں کو عصرِ حاضر میں راہنمائی مل سکے۔ علامہ نے اس سلسلے میں روس کے انقلاب کو بھی پیشِ نظر رکھنے کو کہا کہ جمہوریت میں یہ التزام بھی ہونا چاہیے کہ عوام کی معاشی کفالتوں میں بھی ریاست مدد دے سکے۔ چنانچہ علامہ فرماتے ہیں ایک تو مغربی دنیا کے تجربات اور دوسرا

"وہ نیا معاشی تجربہ جو اسلامی ایشیا کے حوالی میں کیا گیا یہ دونوں باتیں ایسی ہیں جن کے پیشِ نظر ہمیں خوب سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معنی و منشا اور اس کی تقدیر فی الحقیقت کیا ہے۔"[۴۲]

علامہ کے نزدیک ترکی کا نیا اجتہاد، یورپی تہذیب کا شعور نبوت سے منہ موڑ کر تنزل اور مادیت پرستی سے بڑھ کر اصرار، اور روس میں اشتراکی تجربہ جس میں معاش کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے اسلام کی نئی تعبیرات کرتے ہوئے ان سب کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ علامہ کے خیال میں "یورپ انسان کی روحانی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے"[۴۳]۔ یورپ کی فساد زدہ باہمد گر حریف جمہوریتیں ارتکاز زر اور ناداروں کی پامالی میں متشکل ہو رہی ہیں[۴۴]۔ لہٰذا آج عالم انسانی شدید اضطراب سے گزر رہا ہے اور

"عالم انسانی کو آج تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ کائنات کی روحانی تعبیر، فرد کا روحانی استخلاص، اور وہ بنیادی اصول جن کی نوعیت عالمگیر ہو اور جن سے انسانی معاشرے کا ارتقاء روحانی اساس پر ہوتا رہے۔"[۴۵]

عالم انسانی کی اس ضرورت کو خود اقبال کی فکر جس طرح پورا کرتی ہے اس کا مطالعہ کریں تو یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے۔ علامہ خود فرماتے ہیں:

"ہمیں چاہیے آج اپنے اس موقف کو سمجھیں اور اپنی حیات اجتماعیہ کی از سر نو تشکیل اسلام کے بنیادی اصولوں کی رہنمائی میں کریں تا آنکہ اس کی وہ غرض و غایت جو ابھی تک صرف جزواً ہمارے سامنے آتی ہے، یعنی اس روحانی جمہوریت کا نشوونما جو اس کا مقصود و منتہا ہے تکمیل کو پہنچ سکے۔"[۴۶]

علامہ اقبال کے نزدیک کائنات کی روحانی تعبیر اسلام کے اصول توحید کے تحت کی جانی چاہیے جس کا مرئیت سے غیر مرئیت کی طرف رجوع ہے۔ اسلام ہی انسان کے روحانی استخلاص کا ذریعہ ہے اور روحانی جمہوریت کا قیام وہ عالم گیر بنیادی اصول ہے جس سے انسانی معاشرے کا ارتقاء روحانی اساس پر ہوتا رہے گا۔ اب دیکھیے یہ روحانی جمہوریت کیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اقبال کا تصورِ روحانی جمہوریت

اس بات کی تفہیم کے بعد کہ علامہ اقبال روحانی جمہوریت کے قیام کو مسلمانوں کے لیے ناگزیر تصور کرتے تھے اور اس جمہوریت کا قیام ان کے نزدیک "ایک منتخب شدہ مجلس[۴۷] کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اور "جمہوری طرزِ حکومت اسلام کے عین مطابق ہے[۴۸]" کے موقف کے بعد روحانی جمہوریت کے تصور کو سمجھنا سہل ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبال نے مغربی تہذیب کو ایک نازک شاخ پر بنے ہوئے آشیانہ سے تعبیر کر کے کہا تھا۔ یہ تہذیب خود اپنے خنجر سے آپ خودکشی کرے گی[۴۹]۔ اس کا سبب یہی تھا کہ یہ تہذیب مرکزیت پر یقین کھو گئی ہے۔ اور شعورِ نبوت سے اس نے اپنا علاقہ کاٹ لیا ہے اور کائنات اور حیات کے اصل مقصد کو فراموش کر کے مادہ جو تفہیمِ حقیقت کا ذریعہ تھا اس کو مقصد قرار دے لیا ہے۔ اسی طرح عمرانی پہلو سے مغرب نے سیاست کو دین سے کاٹ کر علیحدہ کر دیا اور ایک بے لگام جمہوریت ہر طرف پھنکارنے لگی۔ جس نے فرد کو بے مہار آزادی سے بہرہ ور تو کیا مگر اس کو اصل مقاصدِ حیات سے بے گانہ کر دیا تھا۔ علامہ کے نزدیک اس کی اصل وجہ سیاست اور دین میں دوری تھی۔ چنانچہ انہوں نے واضح طور پر کہا:

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی[۵۰]

علامہ اقبال دین کو حیاتِ کلی پر محیط تصور کرتے ہوئے سیاست کو بھی اس کے تابع رکھنے کے قائل تھے۔ اور دین کی روشنی میں ہی نظامِ سیاست کی تشکیل چاہتے تھے۔ اقبال کی روحانی جمہوریت بھی دین اور سیاست کے ہم آہنگ ہونے کا نام ہے۔ حکومت دین کا چھٹا ستون ہے۔ حکومت اور ریاست کے بغیر دین قائم ہی نہیں ہو سکتا۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی شاید بے محل نہ ہوگا کہ علامہ افغانستان، ایران اور ترکی کی طرف جس امید بھری نظروں سے دیکھتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ بلادِ اسلامیہ میں یہ تین ملک ایسے تھے جو آزاد تھے اور یہاں کسی نہ کسی صورت میں مسلمانوں کو کسی قدر اقتدار حاصل تھا علامہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا خیال تھا کہ شاید ان ممالک میں سے کوئی امید کی کرن پھوٹے اور یہ ممالک اسلامی دنیا خاصہ میں موثر کردار ادا کر سکیں۔ چنانچہ یہاں سے آزادی، حریت اور مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کی جو بھی خبر آتی علامہ اس پر اپنی رجائیت کا بھرپور اظہار کرتے بسا اوقات وہ رجائیت خوش فہمی پر بھی مبنی ہوتی تاہم اقبال کی بے چین روح یہاں ایک انقلاب برپا ہونے کی آرزو مند تھی چنانچہ ایران میں رضا شاہ پہلوی کی حکومت کے استحکام کی کوششوں سے اقبال کو یہ امید بندھی کہ شاید احمد رضا شاہ ایران میں استحکام حکومت کے بعد وہاں ایک اسلامی جمہوری اور فلاحی معاشرہ قائم کر کے مسلمانوں کی راہنمائی کا منصب ادا کرے۔ والیٔ افغانستان حتیٰ کہ اقبال نے تو بہاولپور، بھوپال اور حیدر آباد کی ریاستوں تک سے مسلمانوں کے تشخص اور معاشی خوشحالی کے بارے میں امیدیں وابستہ کیں، انہیں اپنے اشعار اور خطوط[۵۱] کے ذریعے اشاعت اسلام اور مسلمانوں کے اسلامی اور اجتماعی تشخص کی بحالی اور استحکام کے سلسلے میں پیام دیے اور مسلمانوں کی زبوں حالی اور ہیئت کذائی کا احساس دلایا۔ اسی طرح انہوں نے ترکی کے اتاترک کی فتوحات اور کامیابیوں پر خوشی، انبساط اور امید کا اظہار کیا۔ مگر جب ترکی کے مصطفیٰ کمال اتاترک اور ایران کے احمد رضا شاہ کے اپنے ملک میں استحکام کے بعد ان کے لچھن سامنے آئے تو اقبال کے دل ناصبور کو مایوسی ہوئی اس لیے کہ احمد رضا شاہ نے ایران کے ملوکانہ مزاج سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی بادشاہت قائم کر لی اور مصطفیٰ کمال اتاترک نے ایک سیکولر (لادین) آمریت ترکی پر مسلط کر دی اور ان دونوں میں اقبال نے جو امید کی کرن دیکھی تھی وہ دم توڑ گئی چنانچہ اقبال نے ان دونوں پر تنقید کی اور بتایا کہ روح شرق جس بدن کی تلاش میں تھی اس کو احمد رضا شاہ اور کمال اتاترک کی صورت میں وہ جسم نہیں ملا اور یہ روح اب بھی بے چین و مضطرب ہے۔

نہ مصطفیٰ نہ رضا شاہ میں نمود اس کی
کہ روح شرق بدن کی تلاش میں ہے ابھی[۵۲]

برصغیر کے مسلمانوں کی اسے خوش قسمتی کہیے کہ علامہ جس اسلامی اور جمہوری روح شرق کے لیے بدن چاہتے تھے وہ قائداعظم کی صورت میں برصغیر کے مسلمانوں کو نصیب ہوا ایک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بے داغ کردار۔ ایک مخلص مسلمان۔ ایک جرأت آزما اور باغیرت لیڈر، اسلامی اور جمہوری روح سے سرشار قیادت۔ صدیوں مسلمانوں میں اتنا بڑا قائد پیدا نہیں ہوا۔ جس نے دلیل کے زور سے سات سال کے عرصہ میں دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کو قالب بخشا ایک ایسا بے مثل کردار جو خدا نے نعمت کے طور پر برصغیر کے مسلمانوں کو دیا جس کے سامنے ساری ہی قیادتیں کوتاہ قامت نکلیں۔ جس نے آزادی کے بعد پاکستان کے لیے پارلیمانی اور جمہوری نظام تجویز کیا اور اپنی بے پناہ مقبولیت کے باوجود اپنی آمریت قائم نہ کی بلکہ ملک کا گورنر جنرل بننا قبول کیا اور پاکستان کے لیے جمہوری نظام کو مقدر قرار دیا۔ علامہ اقبال نے اس روحِ شرق کے بدن کے بارے میں کہا تھا کہ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا [۵۳]

انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کو اس مسیحا کی آمد کی نوید دی اور ان کی قیادت کو مسلمانوں کے لیے حتمی اور قطعی کہا۔

جمہوریت پر اعتراضات کا تجزیہ

علامہ اقبال کے اشعار سے جمہوریت پر جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں وہ اعتراضات جمہوریت پسندوں نے خود بھی اٹھائے ہیں ان کے نزدیک یہ جمہوریت کے نقائص ہیں ان نقائص کو دور کرنا مطلوب ہے مگر جمہوریت کے ان نقائص کو جمہوریت پسندوں نے تو حقیقت پسندی کے طور پر بیان کر دیا مگر جمہوریت کے مخالفین نے اپنے مجوزہ نظاموں کے نقائص کا تجزیہ کرنے اور ان کی قباحتوں کا اندازہ لگانے اور جمہوریت اور آمریت، جمہوریت اور ملوکیت یا جمہوریت اور اشرافیہ، جمہوریت اور تھیاکریسی یا صالحین کی چند سری حکومت کی قباحتوں کا تقابلی مطالعہ پیش کرنے کی بجائے اپنے چہرۂ تاریک پر پردہ ڈالنے کے لیے جمہوریت کے نقائص کو اچھالنا شروع کر دیا۔ حالانکہ جمہوریت کے نقائص ان کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔ جمہوریت کے نقائص دور کیے جا سکتے ہیں مگر آمریت کے نقائص دور نہیں کیے جا سکتے۔ جمہوریت کے مخالفین جب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آمریت کا دفاع جمہوریت کے مقابلے میں نہیں کر سکتے تو وہ کہتے ہیں کہ جمہوریت ایک اچھا نظام ہے تاہم اس کے نفاذ کے لیے لوگوں کا تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے۔ جمہوریت کی کامیابی کے لیے لوگوں کا اہل رائے بننے کے لیے واقعی تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے مگر لوگ اگر تعلیم یافتہ نہ ہوں تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان پر آمریت کی تاریک رات مسلط کر دی جائے یا یہ بہتر ہے کہ جمہوری عمل نافذ کیا جائے تاکہ لوگوں کے سیاسی، سماجی اور اخلاقی شعور کی تربیت ہو۔ اور وہ ملک کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے لیے تیار ہو سکیں۔ لہٰذا اس نظام کو یکسر رد کرنا کسی طرح بھی صائب نہیں ہے۔ کیونکہ جب ان نقائص کا مقابلہ جمہوریت کے برعکس دیگر نظامات سے کیا جاتا ہے تو بے اختیار جمہوریت کو ہی اپنانے کو جی چاہتا ہے اس لیے کہ اس کے مقابلے میں جو نظام پیش کیے جاتے ہیں وہ بدترین آمرانہ استبدادیت کے نمونے ہیں جن میں فرد کو تو لنا تو درکنار گنا بھی نہیں جاتا۔ جمہوریت میں معاشرے کے افراد کی رائے تو پوچھی جاتی ہے۔ جبکہ دوسرے نظامات میں قوت کے بل پر اقتدار میں آنے والا ہر آمر خود کو عقل کل، مرد مومن اور انسان کامل تصور کرتا ہے چنانچہ اقتدار کی خوشہ چینی کرنے والے ایسے آمر کو یقین دلاتے ہیں کہ حضور آپ سے بڑھ کر دانش ور اور عاقل روئے زمین پر کبھی پیدا نہیں ہوا۔ بعض فلاسفہ کی طرف سے تجویز کردہ مرد عاقل تلاش کرنا ہما پرندے کو تلاش کرنے سے بھی زیادہ مشکل کام ہے۔ پھر کسی کے پاس کوئی ایسا آلہ نہیں کہ وہ اسے ڈھونڈ دے۔ پھر اس صالح پر عوام کا اتفاق ہونا بھی ضروری نہیں اور ریاست کے معاملات کو سمجھنا بھی اس کے بس میں ہونا لازم نہیں ایسی صورت میں اس کے پاس قوت نافذہ عوام کی رائے نہیں تو گولی یا طاقت ہو گی پھر وہ اسی قوت سے خود کو ایک آمر مطلق کے روپ میں ظاہر کرے گا۔ سوال یہ ہے کہ سوائے اس کے اپنے دعوے کے کون فیصلہ کرے گا کہ وہ مرد مومن، مرد کامل یا فرد مصدقہ ہے۔ ایک عمرانی صورت حال میں ایسے شخص کی ہر بار تلاش ایک ایسا کام ہے جو گاؤں کی پنچایت کی حد تک تو ممکن ہو سکتا ہے مگر آج کی کروڑوں افراد پر مشتمل ریاستوں میں ممکن نہیں۔ ایسے تصورات پر اصرار یا حمایت کسی ریاست کو ہر وقت متزلزل بنیادوں پر قائم رکھنے کے مترادف ہے۔ یہ ایک ایسی تجرید ہے جس میں آج کی ریاست برپا نہیں ہو سکتی۔ ایسے مردان عاقل سقراط سے لے کر آج تک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی ریاست کو کھنے میسر آئے ہیں۔ البتہ طاقت کی بنیاد پر اقتدار پر قابض ہونے والوں نے خود کو مردِ عاقل اور مردِ آہن کہلوایا۔ آج کے دور میں ایسے تصورات کی بات کرنا صرف آمریتوں کی نادانستہ یا دانستہ خوشہ چینی کے سوا اور کچھ نہیں کہلا سکتا۔ پھر ضروری نہیں کہ ایسے مردِ عاقل اور صالح میں کسی ملک کے سیاسی نظام کو چلانے کی بھی اہلیت ہو۔

دوسرا اعتراض جو جمہوریت پر کیا جاتا ہے وہ اس سے بھی زیادہ مہمل ہے یعنی اس سے اقتدار پر سرمایہ دار اور اہلِ ثروت ہی قابض ہو سکتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا بادشاہت اور آمریت میں مزدور اور غریب لوگ اقتدار پر قابض ہوتے ہیں۔ ایسا سوچنا ایک حماقت کے سوا کچھ اور نہیں۔ یقیناً کچھ غلام بھی بادشاہ بنے اور کچھ غریب اور متوسط طبقے کے لوگ بھی آمر بنے مگر ان کے بادشاہ اور آمر بننے کی وجہ غربت نہ تھی کہ کسی نے ان کی غربت اور اعلیٰ صلاحیتوں کی بنا پر انہیں اقتدار بخش دیا ہو۔ بلکہ اصل صورت حال یہ ہے کہ ایسے بادشاہوں اور آمروں کو اندرونی ریشہ دوانیوں اور حالات نے ایسی فوجی طاقت دے دی جس کی بنا پر وہ نہ صرف اقتدار پر براجمان ہوتے بلکہ سرمایہ داروں کی صف میں شامل ہو گئے۔ اقتدار پر براجمان ہونے کے بعد مزدور بھی مزدور نہیں رہتا۔ اس کی ذہنی اور فکری اپروچ ایک دولت مند اور سرمایہ دار کی سی ہو جاتی ہے۔ اس لیے یہ فریب محض ہے کہ صرف جمہوریت میں ہی اقتدار پر سرمایہ دار آتے ہیں بلکہ ہر نظامِ حکومت میں یہ لوگ اقتدار پر قابض ہوتے ہیں۔ جمہوریت کے ذریعے اقتدار میں آنے والوں کی تعداد طاقت کے ذریعے اقتدار میں آنے والے مزدوروں یا چھوٹے طبقوں کے افراد سے زیادہ ہی ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض بھی محض الفاظ کی شعبدہ بازی ہے۔

تیسرا اعتراض بھی زیادہ توجہ کے لائق نہیں اس لیے کہ ایک انسان کے مقابل دو سو انسانوں کی رائے زیادہ معتبر تصور کی جانی چاہیے اس لیے کہ ایک انسان دو سو انسانوں کے مقابلے میں زیادہ غلطی کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ اقتدار کے فیصلے کرنے والا فرد واحد خود سرا اور خوشامدیوں میں گھرا ہوا، مسائل میں دبا ہوا فرد ایسے دو سو افراد سے بہتر فیصلہ نہیں کر سکتا جو کسی معاشرے سے منتخب ہو کر آتے ہوں۔ ان افراد کے پاس تو عوام کی رائے قوت نافذہ کے طور پر موجود ہے جبکہ اس آمرِ مطلق کے پاس سوائے اپنی انا کے اور کوئی قوت فیصلہ نہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ پاکستان کے عوام جو بیس پچیس سال سے بیلٹ کی بجائے بلٹ کے ذریعے اقتدار پر براجمان ہونے والے آمروں سے سابقہ کا تجربہ رکھتے ہیں اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان مردِ مومن، مردِ حق اور مردِ آہن کہلانے والوں نے کیا کھل کھیلا ہے۔ اور عوام کی جمہوری امنگوں سے کھیلنے کے لیے ہر اوچھا ہتھکنڈہ استعمال کیا ہے

اب یہ بھی عجب طرفہ تماشا ہے کہ انتخاب اور رائے دہی کے ذریعے اسمبلیوں میں آنے والوں کو گدھے شمار کر لیا جاتے۔ یقیناً دو سو گدھوں کے دماغ سے انسانی دماغ برآمد نہیں ہو سکتا مگر کون کہہ سکتا ہے کہ اسمبلیوں میں منتخب ہو کر آنے والے سارے گدھے ہی ہوتے ہیں، امریکی کانگرس یا برطانوی پارلیمنٹ میں منتخب ہونے والے کیا گدھے ہیں، ہمارے ملک میں یقیناً کم تعلیم یافتہ جاگیردار اور سرمایہ دار اسمبلیوں میں آتے ہیں مگر آپ نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ اگر انتخابات کا عمل ہموار اور تواتر کے ساتھ کسی معاشرے میں جاری ہو جاتے تو اسمبلیوں میں تعلیم یافتہ افراد کے پہنچنے کا تناسب بڑھتا جاتے گا اور پارلیمان کی روایات اور طریق کار سے انہیں آگاہی ہوتی چلی جاتے گی اس طرح اسمبلیاں گدھوں پر نہیں انسانوں پر مشتمل ہو جاتیں گی۔ لیکن اس امر کی کیا ضمانت ہے کہ اس جمہوری روایت کو جاری نہ کرنے سے جو اقتدار میں آتیں گے وہ گدھے نہیں ہوں گے اور عوام کو دولتیاں نہیں ماریں گے۔ ہمارا مشاہدہ تو یہ ہے کہ ہر فوجی انقلاب کے ساتھ صرف آمر کا چہرہ بدلتا ہے جبکہ اس شمع کے گرد منڈلانے والے چند معروف خاندان اور لوگ ہر بار لوٹ کر ملنے آتے ہیں۔ اور ان کا گدھا پن جمہوری انداز سے منتخب ہونے والوں سے زیادہ گدھوں جیسا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس طرح کی بات کہ دو سو گدھوں کے دماغ سے انسانی دماغ برآمد نہیں ہوتا تالی پٹوانے اور داد پانے کے لیے تو درست ہے مگر اس کی عرفانی صورت حال میں چنداں اہمیت نہیں۔ اور اس سے کسی آمر کو بیساکھی فراہم نہیں کی جا سکتی۔ ذرا سوچیے کیا دو سو انسانوں کے دماغوں میں سے سب کے دماغوں میں بھس ہی بھری ہوتی ہے۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ جس کو ان دو سو انسانوں پر ترجیح دی جاتے گی وہ اس مطلوبہ معیار پر پورا اترتا بھی ہے یا نہیں جو جمہوریت کے ان نقادوں کو مطلوب ہے۔ اصل بات یہ ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ ہر آمر خود کو عقلِ کل اور دوسروں کو گدھے ہی تصور کرتا ہے۔ یہی سائیکی ہے جو جمہوریت کے مخالفین کے بھی لاشعور میں موجود ہے۔ عوام کو گدھے کہنا اور آمروں کو عقلِ کل سمجھنا عوام کی توہین اور آمروں کی خوشامد کے سوا کچھ نہیں۔ ایسی باتوں سے آمریت کے ہاتھ مضبوط کرنے کے سوا اور کیا نتیجہ نکل سکتا ہے۔ قیام پاکستان جو عوام الناس کے ووٹوں کا نتیجہ تھا اس بات کی شہادت فراہم کرتا ہے کہ امت مسلمہ اجتماعی فیصلے کرتے ہوئے کبھی غلط فیصلہ نہیں کرتی۔ ان پر اعتماد کیا جانا چاہیے، جبکہ جمعیت علمائے ہند، جماعت اسلامی، مجلس احرار اسلام، خاکسار تنظیم اور دیگر بہت سے خود کو عقل کل سمجھنے والے صالحین کے فیصلے مسلمانوں کے مفادات سے متصادم، اسلام کے برصغیر میں مستقبل سے بے پروا، جھوٹی ذاتی اناؤں کے پروردہ اور اسلام کے مصالح کے قطعی طور پر منافی تھے۔ اگر ووٹ کا حق مسلم عوام کی بجائے ان "صالحین" کو ہوتا تو پاکستان وجود میں نہ آتا۔ پاکستان کا قیام پاکستان کے عوام کی صائب رائے کا شہکار ہے۔ اور پاکستان کے عوام پر ہی ہمارا اعتماد ہے کہ وہ اپنے حق خود ارادیت کو کبھی پامال نہ ہونے دیں گے پاکستان کی روح جمہوریت ہے اس کا گلا گھونٹنے والوں کا پاکستان کے بہادر عوام پوری قوت سے گلا گھونٹ دیں گے۔

پاکستان میں جمہوریت کی مخالفت کرنے والوں کی اکثریت پاکستانی عوام کو ووٹ کے حق سے محروم کر کے انہیں قیام پاکستان کے فیصلہ کی سزا دینا چاہتی ہے اور انہیں ووٹ کے حق سے محروم کر کے ان پر سیکولرزم، سوشلزم یا پھر مذہب کے نام پر اپنی خود ساختہ صالحین کی تھیاکریسی مسلط کرنا چاہتی ہے ایسی چند سری حکومت جس میں قوت فیصلہ ان "صالحین" کے ہاتھ میں رہے۔ چنانچہ مسلمانوں کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ جمہوریت کی جگہ آمریت کی وکالت کرنے والوں سے ہوشیار رہیں۔ ڈاکٹر عبدالحکیم لکھتے ہیں:

> "مسلمانوں کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ جمہوریت سے گریز کر کے ڈکٹیٹروں کو تلاش نہ کریں۔ بلکہ عقل و حکمت اور ایثار سے اس جمہوری نظام میں رفتہ رفتہ ایسی اصلاحات کریں کہ اس کی خوبیوں کا پلڑا اس کے نقائص کے مقابلے میں بھاری ہو جائے۔"[۵۴]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصل صورت تو یہ ہے کہ جب فیصلہ کسی نظریے یا عقیدے کا ہو تو اسلام کی رو سے سوائے خدا کے یا اس کے فرستادہ نبیؐ کے یا اس کی کتاب کے کسی کو حق نہیں کہ وہ اس میں ایک شوشہ بھی تبدیل کر سکے۔ یہاں بندوں کو گننے کے بجائے تولنا مفید اور موثر ہے حتی کہ دین کی تعبیرات میں بھی بندوں کو تولا ہی جائے گا۔ دین کے بارے میں اجتہاد کرتے وقت مجتہد کی رائے اور اس کی اہلیت دونوں کو پیش نظر رکھا جائے گا۔ تاہم اہلیت سے بھی زیادہ مجتہد کی رائے کو پرکھا جائے گا یعنی جہاں بات دین و عقیدہ کی ہے وہاں بندوں کو تولنا ہو گا۔ مگر جہاں سوال ملکی نظم و نسق کا ہے وہاں فیصلہ کرتے وقت معاشرے کے زیادہ سے زیادہ ارکان کی اس فیصلہ میں شرکت زیادہ صائب ہے۔ اس کی مثال خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے دی جا سکتی ہے۔ کہ دین کے معاملہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا اور کتاب اللہ کے پابند تھے۔ اور جب جنگ خندق ہوئی یا ایسے ہی متعدد مواقع پر جہاں نظم و نسق کا سوال پیدا ہوا آپؐ نے مختار کل ہوتے ہوئے بھی مشورہ طلب فرمایا۔ اور اس کو قبول کیا۔ نبیؐ کو ہم ان مشوروں کا پابند قرار نہیں دے سکتے مگر دوسرے حکمرانوں کی حیثیت ان جیسی ہرگز نہیں۔ نبی مامور من اللہ ہوتا ہے جبکہ دوسرے حکمرانوں کی حیثیت یہ نہیں لہٰذا انہیں مشورہ کرنے اور اس کی پابندی کرنے پر مجبور کرنا ہی صائب ہے تاکہ وہ من مانی نہ کر سکیں۔ مولانا حنیف ندوی نے اپنی کتاب اساسیات اسلام میں اس مسئلہ کو کسی قدر بیان کیا ہے کہ

> "دین اور عقیدہ سے متعلق حق و باطل کی بات بلاشبہہ کثرت کی رہین منت نہیں۔ حق بہرحال حق ہے چاہے اس کا قائل ایک شخص ہو اور پورا معاشرہ مخالف ہو لیکن جب آپ نظم و نسق کے بارے میں سوچیں گے تو اس میں فیصلہ کن دلیل کی استواریوں کی بجائے موزونیت اصول قرار پائے گی۔" [۵۵]

اس لیے کہ جمہوریت میں سوال تجرید کا نہیں اطلاق کا ہوتا ہے[۵۶]۔ یہاں فیصلہ کن قوت اکثریت کی رائے کو قرار دینا ہی صائب ہے۔ عوام کی زیادہ سے زیادہ شرکت اسے لوگوں کے لیے زیادہ قابل قبول بناتی ہے۔ اور اگر کسی فیصلہ کے لیے عوام میں قبولیت اور ایجابیت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موجود ہو تو اس سے معاشرے میں زیادہ استحکام پیدا ہوتا ہے۔

چوتھا اعتراض اس وقت مہمل ہو جاتا ہے جب ہم جمہوریت کا مقابلہ دوسرے نظاموں سے کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ جمہوری حکمرانوں کی نسبت آمروں کا باطن چنگیز سے زیادہ تاریک تر ہے۔ آلیور کرامویل سے لے کر عصر حاضر کے آمروں کو دیکھ لیجیے، جبریت اور فسطائیت کی ہر ایک بدترین مثال ہے کسی کی بات ماننا تو درکنار وہ کسی کی بات تک سُننا پسند نہیں کرتے۔ ان کی تمام قوتیں اپنے مخالفین کو دبانے میں ضائع ہو جاتی ہیں اور وہ نفسیاتی طور پر اس عارضہ میں مبتلا رہتے ہیں کہ عوام نے انہیں قبول نہیں کیا اس لیے وہ ہر وقت ڈر اور خوف کا شکار رہتے ہیں جس سے ان کے اندر ہر وقت گھٹن پیدا ہوتی ہے اور یہی گھٹن انہیں ظالم اور سنگ دل بنا دیتی ہے۔ اور وہ ہر مخالف ذہن اور زبان کو بند کرنے پر تُل جاتے ہیں۔ قبرستان کے سکون کو اگر امن کہا جاتا ہے تو وہ آمریتوں کے ہاں وافر ہے لیکن اگر اختلاف فکر و نظر کے اظہار اور ایک دوسرے کی رائے سننے، برداشت کرنے اور قبول یا رد کرنے کو انتشار کہا جاتا ہے تو واقعی وہ جمہوریتوں میں موجود ہے۔ اب غور کیجیے کہ فیصلہ کرنے کا یہ اختیار بھی جمہوری مزاج دیتا ہے۔ آمریتیں تو فیصلے مسلط کرتی ہیں طاقت سے، قوت سے اور خوف سے۔ ان کو چنگیز سے تاریک تر قرار دینا کہاں تک صائب ہے اس پر دو رائے نہیں ہو سکتیں۔

پانچویں اعتراض میں علامہ فرماتے ہیں کہ اہل مشرق کا دکھ یہ ہے کہ وہ تقلید پر ریجھے ہوئے ہیں۔ اور مغرب کا دُکھ یہ ہے کہ وہ جمہوریت کے دامن فریب میں ہیں۔ مشرق کا دکھ علامہ نے درست طور پر بیان کیا ہے۔ علامہ چاہتے ہیں کہ مشرق تقلیدی روّیہ ترک کر کے اپنے ماحول اور مسائل کے حوالے سے مغربی تجربہ کو پیش نظر رکھ کر اپنی تقدیر خود بنائے حتیٰ کہ جمہوریت میں اندھا دھند مغرب کی تقلید نہ کرے بلکہ اپنے حالات اور مقاصد کے مطابق اس کی تشکیل کرے۔ مغرب کا جمہوریت کو دُکھ جب علامہ قرار دیتے ہیں۔ تو ان کے پیش نظر یہ ہے کہ مغرب نے ایک بے لگام جمہوریت کو جو رواج دے رکھا ہے وہ ان کی تہذیب کے لیے بھی مضر ہے علامہ مغربی تہذیب کو جس طرح شعور نبوت سے محروم اور مریت پر ریجھی ہوئی تہذیب قرار دیتے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ اگر مغربی تہذیب شعور نبوت کی روشنی میں اپنی تدوین نو کرے تو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور صورت کو پسند نہیں کرتے تھے جس سے ہندو اکثریت مسلم اقلیت پر اثر انداز ہو سکے یہی وجہ ہے کہ متحدہ ہندوستان میں علامہ اقبال کو جمہوریت کسی طور قابل قبول نہ تھی۔ علامہ اقبال تو کیا یہ صورت حال کسی بھی مسلمان کے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لیے کہ ہندو اپنی نشاۃ ثانیہ کے جو خواب بُن رہا تھا اس کا ایک حصہ مسلمانوں کو اندلس کی طرح بزعم خود ختم کرنا بھی تھا۔ ایسے میں اگر علامہ جمہوریت کی متحدہ ہندوستان میں حمایت کرتے تو اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے لیے خود غلامی کی سفارش کرتے۔ یہی عمرانی سائنٹی ہے جس نے علامہ کو متحدہ ہندوستان میں جمہوریت کا نقاد بنایا مگر کیا اسلامی ریاست میں بھی علامہ جمہوریت کے مخالف تھے اور انہیں جمہوریت کی کوئی صورت بھی قابل قبول نہیں تھی اس بارے میں بہت تردّد کے بعد کوئی بات کہنی چاہیے۔ علامہ کے چند اشعار سے انہیں جمہوریت کا مکمل طور پر مسترد کر دینا الا کہنا ایک ایسی بات ہوگی جو حقائق کے منافی ہے۔ اس لیے کہ ایک اسلامی ریاست میں جہاں اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو علامہ جمہوریت کے حامی اور موید تھے۔

اقبال کے جمہوری تصوّرات

علامہ اقبال کے جمہوریت پر اعتراضات ایک تو مخصوص صورت حال کی پیداوار تھے دوسرے علامہ اقبال کے جمہوریت پر اعتراضات دراصل جمہوریت کے چند بنیادی نقائص کی نشاندہی ہیں۔ ان نقائص کو دور کرنے کا اگر اہتمام کر لیا جائے تو پھر علامہ کے جمہوریت پر اعتراضات نہ صرف ختم ہو جاتے ہیں بلکہ وہ قابل قبول بھی بن جاتی ہے۔ علامہ اقبال کے جمہوریت پر اعتراضات کا مطلب یہ بھی نہیں لیا جا سکتا کہ علامہ بادشاہت یا آمریت کے حامی تھے۔ جیسا کہ ہمارے ہاں آمروں نے اکثر کیا کہ اپنے آمرانہ رویوں کی سند اقبال کے جمہوریت پر اعتراضات والے اشعار سے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اور جنہیں عوام نے ہمیشہ مسترد کیا۔ یہ فکر اقبال سے بددیانتی کے مترادف ہے۔ بادشاہت، ملوکیت اور آمریت کو تو علامہ نے ہمیشہ مسترد کیا اور انہیں خلاف اسلام نظامات قرار دیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ اقبال نے اپنے خطبات میں روحانی جمہوریت کو اسلام کا مقصد ٹھہرایا ہے اور اس روحانی جمہوریت کے قیام کو نوع انسانی کے لیے ابد کا منبع قرار دیا ہے۔ علامہ اپنے خطبہ الاجتہاد فی الاسلام میں فرماتے ہیں:

"بلادِ اسلامیہ میں جمہوری روح کا نشوونما اور قانون ساز مجالس کا تاریخی قیام ایک بڑا ترقی زا قدم ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مذاہب اربعہ کے نمائندے جو سردست فرداً فرداً اجتہاد کا حق رکھتے ہیں اپنا یہ حق مجالس شریعی کو منتقل کر دیں گے۔ یوں بھی مسلمان چونکہ متعدد فرقوں میں بٹے ہوتے ہیں اس لیے ممکن بھی ہے تو اس وقت اجتماع کی یہی شکل ہے۔"[۳۶]

علامہ اقبال نے ترکی کی اسلامی ریاست میں جو مسلم اکثریت پر مشتمل تھی۔ جمہوری تجربہ کو نہ صرف پسند کیا بلکہ ان کے اس اجتہاد کو قبول کیا کہ اسلامی ملک کی منتخب پارلیمنٹ کو اسلامی قوانین کی تشریح و تعبیر اور توضیح کا بھی حق دے دیا جائے۔ علامہ عہد جدید میں جس اسلامی فقہ کی تشکیل جدید چاہتے تھے اور مسلم فقہ کی جدید عصری تقاضوں کے مطابق جس تدوین کے آرزومند تھے اس کی ایک بہتر صورت انہیں یہی نظر آتی کہ مسلم ممالک کی منتخب مجلس قانون ساز اس فریضہ کو سرانجام دیں۔ یہی وجہ تھی کہ علامہ بلادِ اسلامیہ میں جمہوری روح کا نشوونما اور قانون ساز مجالس کے بتدریج قیام کو ایک بڑا "ترقی زا قدم" تصور کرتے تھے۔ اس سے بھی یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ علامہ برصغیر میں تو مخصوص صورت حال کی وجہ سے جمہوریت پر معترض ہیں مگر جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے ان بلادِ اسلامیہ میں جمہوریت کے فروغ کو خوش آئند کہتے ہیں۔ علامہ اقبال تو اس رائے کے بھی قائل تھے کہ اگر خلفائے راشدین کا نظام چلتا رہتا تو وہ نظام بالآخر جمہوری اداروں کے قیام اور مجالس قانون ساز کی صورت میں وجود میں آتا اور افراد کی بجائے متقنہ قانون سازی اپنے اجتماعی فیصلوں سے کرتی۔ افراد کو اجتہاد کا حق تو ان کے نزدیک افراد کو اموی اور عباسی ملوکیت کی وجہ سے ملا جو کسی متقنہ کو طاقت کا سرچشمہ دیکھنے کی بجائے خود کو طاقت ور بنانا چاہتے تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان مشکلات سے بچ سکتی ہے جو اسے زوال آمادہ کر رہے ہیں۔ شعورِ نبوت سے محرومی کی وجہ سے ہی جمہوریت میں اخلاقی قدروں کا زوال ہوا اگر ہم جمہوریت کی تنظیم اپنے تصورِ اقتدارِ اعلیٰ اور اسلامی قدروں کی روشنی میں کرتے ہیں تو جمہوریت اخلاقی قدروں کے فروغ میں بھی ممد و معاون ہو سکتی ہے۔ اور وہ ایک ایسے نظام میں ڈھلنے کی صلاحیت رکھتی ہے جس میں اعلیٰ اخلاقی قدروں کے فروغ کے لیے اچھے لوگ منتخب ہو کر پارلیمنٹ میں آئیں۔ اور وہ نیکی کے فروغ میں حصہ لیں۔ یہ توقع بھی صرف جمہوریت سے کی جا سکتی ہے۔ جبکہ دوسرے نظاموں میں تو ایک نیک دل انسان بھی حصولِ اقتدار کی جدوجہد میں پھنسنے کی وجہ سے اپنا دامن نہیں بچا سکتا۔

جمہوریت کے دو بنیادی خواص

جمہوریت کی جتنی بھی تعریفیں کی جاتی ہیں ان میں دو باتیں بنیادی ہیں ایک یہ کہ کسی ملک یا قوم کی ہیئت حاکمہ اور امورِ مملکت کے تعین کرنے اور چلانے میں عوام کی رائے کی شرکت کا کسی نہ کسی طور التزام کیا جائے۔ ملک کے نظام کی تشکیل کرتے وقت، سیاست کے امور و معاملات کو چلاتے وقت، نظم و نسق طے کرتے وقت ان عوام کی رائے کو بھی مدِ نظر رکھا جائے جن پر یہ فیصلے نافذ ہوتے ہیں تاکہ ان میں ان کی ایجابیت اور قبولیت کسی خوف اور طاقت کی بجائے ان کی اپنی خواہش کے بطون سے جنم لے سکے۔ اب جمہوریت کی اس صفت کا مقابلہ دوسرے نظاموں سے کر کے دیکھیے۔ تھا کریسی میں ملکی امور اور نظم و نسق کے بارے میں فیصلے کا اختیار چند پادریوں کو تھا اور وہ جیسے چاہتے عوام کے مقدر سے کھیلتے۔ اور وہ اپنے اس اختیار کی قوت مذہب سے حاصل کرتے۔ ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ہی بادشاہوں نے خود کو ظلِ سبحانی کہنا شروع کر دیا۔ کہیں بھی یہ اقتدار خدا کی طرف سے ملا ہے۔ لہٰذا وہ خدا کے عوام پر سایہ ہیں اور خدا کی مرضی اور منشا ان کی مرضی میں شامل ہے۔ پادریوں کی قوت چرچ تھا مگر بادشاہوں کی قوت ایک تو ان کی موروثیت تھی اور دوسرے ان کی اپنی فوجی قوت ان کی حکمرانی کا استحقاق تھی یہی حال عہدِ قدیم اور عہدِ جدید کے آمروں کا ہے جو تلوار یا بلٹ کی قوت سے عوام پر حکومت کا اختیار حاصل کرتے ہیں۔ اب آپ خود سوچیں کہ یہ بادشاہتیں اور آمریتیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو تلوار یا پستول کے بل پر وجود میں آتی ہیں، ان سے بڑھ کر شعورِ انسانی اور شرفِ انسانی کی اور کیا توہین ہو سکتی ہے۔ ان کی حمایت کرنا خود شرفِ انسانی کے حق میں جرم کرنے کے مترادف ہے۔ اور وہ تمام لوگ انسانیت کے مجرم ہیں جو ان آمریتوں اور بادشاہتوں کی حمایت کرتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کی حمایت جنگل کے قانون کو رواج دینے کے مترادف ہے۔ آج کے باشعور انسان سے پوچھا جائے کہ تمہیں بیلٹ اور بُلٹ میں سے کیا پسند ہے تو وہ بُلٹ کے مقابلے میں بیلٹ کو پسند کرے گا۔ بیلٹ امورِ مملکت میں اس کے اختیار اس کی رائے کے احترام کا نام ہے اور بلٹ اس کے خلاف طاقت اور قوت کے استعمال کی علامت ہے۔

جمہوریت کا دوسرا بڑا وصف اقتدار کی پُرامن منتقلی ہے۔ یہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں انتقالِ اقتدار کا ایک ذریعہ ہے جس سے بہتر اور کوئی فارمولا نوعِ انسانی نے وضع نہیں کیا۔ اقتدار کی منتقلی کے صرف تین ہی طریقے ہیں ایک تو یہ ہے کہ ایک حکمران مر جائے اور اس کی جگہ اس کا بیٹا بیٹھ جائے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جس کے پاس قوت ہو وہ اقتدار چھین لے اور تیسرا طریقہ یہی جمہوریت کا ہے کہ جن پر حکومت کی جانی ہے وہ اپنے حکمران کا خود اپنی رائے سے انتخاب کر لیں۔ بادشاہتوں میں پہلا اور دوسرا طریقہ مروج ہے۔ یا تو ایک بادشاہ کے مرنے پر اس کا بیٹا بیٹھ جاتا ہے یا کوئی اور طاقت و اقتدار پر فوج کے ذریعے قابض ہو جاتا ہے آمریتوں میں صرف فوج یعنی طاقت ہی واحد اقتدار کی منتقلی کا راستہ ہے اب دونوں انتقالِ اقتدار کے طریقوں پر غور کر لیجیے اور اس کے مقابل عوام کی رائے سے انتقالِ اقتدار کا طریقہ دیکھ لیجیے کون سا زیادہ بہتر، محفوظ، پُرامن اور آسان نظر آتے گا اور اس میں انسانی وقار اور احترام اور عظمت موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلے موروثی طریقے سے کسی مردِ مومن کے اقتدار پر آجانے کا ایک فیصد سے کم امکان ہے۔ برصغیر کی مسلم تاریخ میں سوائے اورنگ زیب، سلطان ٹیپو اور چند ایک حکمرانوں کے اس طریقے سے اقتدار پر کوئی اچھا حکمران کم ہی آیا ہے۔ اس میں بھی اول الذکر کو تلوار کے ذریعے اقتدار پر آنا پڑا۔ اور اقتدار پر آنے کے لیے اورنگ زیب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسا نیک دل حکمران بھی اپنے بھائیوں اور باپ کے خون کا دھبہ اپنے دامن پر لگائے بغیر نہ رہ سکا۔ جب ایسے نیک دل حکمران کا ایک غلط طریق انتقالِ اقتدار سے دامن آلودہ ہونے سے بچ نہ سکا تو دوسرے حکمرانوں کا ذکر تو نہ ہی کیا جائے تو بہتر ہے۔ پوری انسانی تاریخ، بادشاہوں اور آمروں کی خون آشامیوں کی ایک دردناک داستان ہے۔ ایسے میں عوام کی رائے سے

تبدیلی حکومت یا انتقالِ اقتدار کا طریقہ ہی شرف انسانی اور فہم انسانی کے لحاظ سے صائب ہے۔ تاریخ انسانی میں جمہوریتوں کے ذریعے انتقالِ اقتدار کے سلسلے میں ہلاک ہونے والے انسانوں کی تعداد کو مدنظر رکھا جائے تو بادشاہوں اور آمریتوں کے ذریعے انتقالِ اقتدار کے وقت قتل ہونے والے انسانوں کی تعداد کا کوئی موازنہ اور مقابلہ ہی نہیں۔ لہٰذا انتقالِ اقتدار کا جو طریقہ جمہوریت نے وضع کیا ہے اس کو اپنائے بغیر چارہ نہیں۔ اس کے بالمقابل تمام بادشاہتیں اور آمریتیں ناکام ہیں۔

چلیے ہم زمانہ ماضی کے آمروں اور بادشاہوں کا ذکر نہیں کرتے مگر کیا آپ نے زمانہ حال کے آمروں اور بادشاہوں کے لچھن اور کرتوت نہیں دیکھے، ان کی شادیوں پر درشادیاں، ان کے محل، ان کی رنگ رلیاں، ان کی دولت برباد کرنے اور ذاتی انا کی تسکین کے لیے فیاضیاں ہمارے گردوپیش پھیلے ہوئے آمروں اور بادشاہوں میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں کہ وہ کتنی بے دردی سے عوام کا سرمایہ لٹاتے ہیں ان کے رومانس کتنے مضحکہ خیز اور بھونڈے ہیں ان کی ہر ہر حرکت مسخرے پن کا شاہکار ہے۔ ان کو اقتدار پر بٹھانا اور ان پر اعتماد کرنا قوموں کے مقدر کو اوندھے کنوئیں میں ڈالنے کے مترادف ہے اسے قوموں کی خودکشی کے عمل سے عبارت کیا جا سکتا ہے۔

جمہوریت ان ہی دو متذکرہ بنیادی تصورات کا نام ہے ایک تو کاروبار حکومت میں عوام کی شرکت اور دوسرے بلٹ کی بجائے بیلٹ کے ذریعے انتقالِ اقتدار باقی جتنی بھی جمہوریت کی صورتیں اور تعریفیں ہیں وہ ان ہی دو بنیادی تصورات کی توضیحات و تصریحات ہیں اور ان توضیحات و تصریحات کو ہر ملک اور قوم اپنے حالات، نظریات اور تصورات کے مطابق ادل بدل سکتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسان خلیفۃ الارض

دین اسلام کے نزدیک انسان خلیفۃ الارض ہے، زمین پر خدا کا نائب ہے اور خدا کی مرضی کو زمین پر نافذ اور قائم کرنا پوری نوع انسانی کا بنیادی وظیفہ اور فرض ہے۔ کوئی ایک انسان نہیں پوری دنیا کے انسان خلیفۃ الارض اور خدا کی مرضی کے زمین پر نافذ کرنے والے ہیں۔ کی ہدایت قرآن حکیم اس کا آخری فرمان ہے جس کو قبول کرنے والے مسلمان اس کو فرداً فرداً نہیں اجتماعی طور پر نافذ کرنے کے پابند ہیں۔ یہ ذمہ داری معاشرے کے کسی ایک طبقہ کی نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کی ہے اور وہ تمام اس کے لیے خدا کے حضور جواب دہ ہیں۔ ہر مسلمان سے اس بات کی باز پرس ہوگی کہ اس نے دین اسلام کے نفاذ میں اور خدا کی مرضی کو لاگو کرنے میں کیا کردار اور ذمہ داری سرانجام دی ہے۔ اگر کوئی مسلمان اس سلسلے میں کوتاہی برتتا ہے تو وہ اپنی اس غفلت کے لیے جواب دہ ہوگا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی حکومت کو قائم کرنا کسی ایک گروہ اور طبقے کا کام نہیں تمام مسلمانوں کا فرض ہے۔ پس تمام مسلمانوں کو خدا کی مرضی نافذ کرنے کے لیے اقدام کرنا چاہیے۔

لہٰذا اسلام کی حکومت یا خدا کی حکومت قائم کرنے کی ذمہ داری تمام مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے۔ خدا کے نائب ہونے کی حیثیت سے جب ہر مسلمان خدا کے اقتدار کو قائم کرنے پر مکلف ہے تو ظاہر ہے کہ ہر مسلمان کو نظام حکومت کی تشکیل میں حصہ لینا چاہیے۔ خلافت کا تصور یا لفظ بھی انسان کے خلیفۃ اللہ ہونے سے مشتق تھا۔ اس لیے خلفائے اسلام نے بیعت (رائے) کو مسلمانوں کی سیاسی ہیئت کی تشکیل میں بنیادی حیثیت دی اور بیعت کے ذریعے اسلامی معاشرے کی ہیئت سیاسی یا ہیئت حاکمہ میں ہر مسلمان کو شریک کیا۔ اگر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی تو صرف ان کی بیعت سے ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت قائم نہیں ہوگئی تھی بلکہ حضرت عمرؓ کی بیعت کے بعد جب دیگر مسلمانوں نے بھی بیعت کی تو خلافت ابوبکر صدیقؓ قائم ہوئی اسی طرح حضرت ابوبکرؓ کے حضرت عمرؓ کو نامزد کرنے سے حضرت عمرؓ کی خلافت قائم نہیں ہوئی حضرت عمر فاروقؓ کی عامۃ الناس کی طرف سے بیعت کے بعد خلافت فاروقی قائم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتی اسی طرح حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو بھی عوام کی بیعت کے بعد ہی خلافت کا استحقاق نصیب ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے بعد کے خلفا نے عوام کی بیعت کو توثیق خلافت کے لیے لازم قرار دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ مدینہ اور مکہ کو اس وقت مسلم دنیا کا اساسی انتخابی حلقہ تصور کیا جاتا تھا پھر بلاد اسلامیہ سے اس بیعت کی توثیق ہوتی۔ ذرائع ابلاغ اور ذرائع رسل و رسائل کی کمی کے باوجود مسلمانوں کی اپنے ابتدائی عہد میں سیاسی، سماجی اور اجتماعی تشکیل میں بیعت کو اصول کے طور پر اپنانا انسانی تاریخ میں ایک نیا تجربہ اور ایک سیاسی انقلاب تھا جس کی نظیر یہ اس طور قبل ازیں موجود نہ تھی اگر مسلمان اس طریق کو قائم رکھ سکتے تو نوع انسانی میں ایک تاریخ ساز انقلاب کی اس سے پرورش ہوتی مگر افسوس کہ اسولوں کی ہوسِ اقتدار نے یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہونے دیا۔

علامہ اقبال کے نزدیک اس کائنات کا اصل حاکم خدا ہے۔ سروری، اقتدار اور اختیار اسی کو سزاوار ہے۔ اس کے سوا اگر کوئی اس اختیار، سروری اور اقتدار کو اپنا حق سمجھتا ہے تو وہ بتانِ آزری کو پوجتا ہے۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری ۵۶۔ الف

لہٰذا مسلمان خدا کے اقتدار کے اس کے نائب کی حیثیت سے وارث ہیں اور اس اقتدار کے لیے اجتماعی طور پر ہیئت حاکمہ کی تشکیل اور اس کو چلانے کے ذمہ دار ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی اس ضرورت کو آمریت اور بادشاہت کے بالمقابل صرف جمہوریت ہی پورا کر سکتی ہے۔ یوں نظام سیاسی کی منہاج یہی جمہوریت ہوگی اگر مسلمانوں کو اس جدید اصطلاح سے گھن محسوس ہوتی ہو تو وہ اسے خلافت بھی کہہ سکتے ہیں۔ مگر اس کی روح جمہوری ہی ہوگی۔

www.KitaboSunnat.com

ریاست کا اقتدارِ اعلیٰ

سیاسی اصطلاح میں کسی ریاست کا اقتدارِ اعلیٰ خدا ہی کو زیبا ہے اور خدا کے نائب (انسان)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا فرض خدا کے اس دیے ہوئے اقتدارِ اعلیٰ کو اس کی مرضی نافذ کرنے کے لیے استعمال کرنا ہے۔ مغربی جمہوریت کا نقص یہ ہے کہ اس میں یہ اقتدارِ اعلیٰ کلی طور پر عوام کی ملکیت ہے کسی ملک کے عوام چاہیں تو شراب کو حرام قرار دے دیں اور چاہیں تو حلال بنا دیں۔ کسی ملک کے عوام فواحش کے حلال و حرام کرنے میں بھی مکمل طور پر بااختیار ہیں۔ اس لیے کہ ریاست کا اقتدارِ اعلیٰ ان کی ذاتی ملکیت ہے مگر اسلام کی نظریاتی یا روحانی جمہوریت میں اقتدارِ اعلیٰ کسی فرد یا کسی قوم کی ملک نہیں۔ بلکہ خدا کی ملکیت ہے اور خدا کے نائب ہونے کی حیثیت سے وہ خدا کی مرضی کو نافذ کرنے کے پابند ہیں۔ اس میں تبدیلی کے مجاز نہیں جبکہ مغربی جمہوریتوں میں وہ مکمل طور پر سیاہ و سفید کرنے کے لیے مختار محض ہیں۔ اسلام کی نظریاتی یا روحانی جمہوریت میں خدا کی مرضی کی تعبیرات مختلف ہو سکتی ہیں مگر اصل منبع قرآن کے کسی حرف یا مفہوم میں تبدیلی ممکن نہیں اس سے معاشرتی انارکی، فواحش کا فروغ اور بے مہار آزادی کی بجائے ایک ذمہ دار جمہوریت تشکیل پاتی ہے جو معاشرے کو کنٹرول کرنے والی کچھ ایسی مثبت اور مستقل اقدار رکھتی ہے۔ جن سے عمرانی اور معاشرتی استحکام پیدا ہو سکتا ہے۔ ممتاز اقبال شناس مرحوم بشیر احمد ڈار علامہ اقبال کے سیاسی فلسفہ پر روشنی ڈالتے ہوئے ابراہیم لنکن کے معروف مقولے، عوام کی حکومت عوام کے لیے اور عوام کے ذریعے کو اسلامی تصورات کے تحت تبدیل کر کے اقتدارِ اعلیٰ کے بارے میں رقم طراز ہیں:

> "اگر ابراہم لنکن کے مشہور مقولہ کو جو اس نے جمہوریت کی تعریف کے سلسلے میں بیان کیا ہے۔ اسلام کی رائج کردہ جمہوریت کے مطابق تبدیل کر سکیں، تو وہ یوں ہوگا "خدا کی حکومت عوام کے لیے اور عوام کے ذریعے" وہ حکومت جو عوام کے ذریعے قائم ہوتی ہے انسانیت کے مفاد میں ہوتی ہے مگر اس حکومت کو لازمی طور پر ان قوانین کے مطابق چلانا چاہیے، جو خدا نے وضع کیے ہیں۔ انسان کبھی بھی مقتدرِ اعلیٰ نہیں ہو سکتا۔ اقتدارِ اعلیٰ محض خدا ہی کو سزاوار ہے عوام اپنے نمائندوں کے ذریعے خدا کے قوانین کے ماتحت حکومت کرتے ہیں۔"[۵۴]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب اقتدارِ اعلیٰ خدائی ملکیت ہے اور مسلمان محض اس اقتدارِ اعلیٰ کے امین ہیں تو مسلمان اس اقتدارِ اعلیٰ کو خدا کے دیے ہوئے اختیار کو خدا کی مرضی اور منشا (قرآن) کے مطابق چلانے کے پابند محض ہیں۔ کیونکہ خدا کی مرضی اور منشا کا رسول شارح ہے اس لیے قرآن و سنت کے مطابق اسلامی جمہوریت چلائی جائے گی اس موضوع پر قرآن میں متعدد آیات ہیں دیکھیے النساء، ۵۹، ۶۴، ۶۵، ۸۰، ۱۰۵، المائدہ، ۴۴، ۴۵، ۴۷، الاعراف، ۳، یوسف، ۴۰، النور، ۵۴، ۵۵، الاحزاب، ۳۶، الحشر، ۷ اور کتب احادیث کنز العمال بحوالہ طبرانی و مسند احمد جلد اول حدیث نمبر ۹۰۷، ۹۶۶، طبع دار المعارف حیدر آباد ۱۹۵۰ء دار قطنی باب الاعتصام بالکتاب السنہ، کنز العمال، ج ۱، ح ۸۹۱، ۹۸۲، مشکوٰۃ بحوالہ رزین باب مذکور موطا باب مذکور کنز العمال ج ۱، ص ۷۷، ۸۷، ۹۴۹، ۹۵۵۔

ان اللہ فرض فرائض فلا تضیعوھا وحرم حرمات فلا تنتھکوھا وحد حدوداً فلا تعتدوھا وسکت عن اشیاء من غیر نسیان تعثوا عنھا [۵۸]

"اللہ نے کچھ فرائض مقرر کیے ہیں انہیں ضائع نہ کرو۔ کچھ حرمتیں مقرر کی ہیں انہیں نہ توڑو۔ کچھ حدود مقرر ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور کچھ چیزوں کے بارے میں سکوت فرمایا ہے بغیر اس کے کہ اسے نسیان لاحق ہوا ہو ان کی کھوج میں نہ پڑو۔" [۵۹]

اسی حاکمیت خدا کے بارے میں خلیفہ عبدالحکیم لکھتا ہے:

"اسلام کی رو سے اقتدارِ اعلیٰ کسی بادشاہ یا جماعت کو حاصل نہیں اور نہ قوم کو اس کا حق پہنچتا ہے۔ اقتدارِ اعلیٰ خدا کو حاصل ہے اور معاشی عدل کا استخراج خدا کی صفات پر ہوتا ہے۔ یہ اقتدارِ اعلیٰ صاحبانِ اختلاق اور صداقت کے تفویض ہوا ہے۔ مملکت کے بنیادی اصول کا حکم خدا نے دیا ہے اور قانون سازی کے بنیادی اصول بھی اسی کے عطا کردہ ہیں۔ حالات کی تبدیلیوں کے باعث علماء کے اتفاقِ آراء سے جدید قانونی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاویلات کی اجازت ہے۔" [۶۰]

سید مودودی کے بقول:

"اس ریاست کا اوّلین قاعدہ یہ تھا کہ حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اور اہلِ ایمان کی حکومت دراصل خلافت ہے جسے مطلق العنانی کے ساتھ کام کرنے کا حق نہیں ہے بلکہ اس کو لازماً اس قانون خداوندی کے تحت رہ کر ہی کام کرنا چاہیے جس کا ماخذ خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنّت ہے۔" [۶۱]

مرحوم بشیر احمد ڈار لکھتے ہیں:

"مگر ایسی حکومت کو لازمی طور پر ان قوانین کے مطابق چلانا چاہیے جو کہ خدا نے وضع کیے ہیں۔ انسان کبھی بھی مقتدرِ اعلیٰ نہیں ہو سکتے۔ اقتدارِ اعلیٰ محض خدا ہی کو سزاوار ہے عوام اپنے نمائندوں کے ذریعے خدا کے قوانین کے ماتحت حکومت کرتے ہیں۔" [۶۲]

پھر جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے یہ اقتدارِ اعلیٰ تمام مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت ہے لہٰذا کوئی ایک گروہ یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ قرآن و حدیث اور سنت کی تعبیر محض اس کا حق ہے۔ یہ تمام مسلمانوں کا مشترکہ حق ہے اور وہ کوئی ایسا نظام مل کر بنا سکتے ہیں جو انہیں کسی ریاست پر خدا کی مرضی نافذ کرنے میں مدد دے سکے۔ اب ظاہر ہے کہ ملوکیت اور آمریت میں تمام مسلمانوں کی مرضی شامل نہیں ہو سکتی۔ اور ملوکیت اور آمریت کے ذریعے تمام مسلمان خدا کی مرضی کے نافذ کرنے کی ذمہ داری ادا نہیں کر سکتے لہٰذا ایک واحد راستہ وہی رہ جاتا ہے۔ جس میں مسلمانوں کی آراء سے فیصلہ ہو وہ راستہ ماضی میں بیعت کا تھا۔ جس کے ذریعے لوگ خلیفہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اپنی رائے سے اس کے حق میں دستبردار ہو جاتے تھے اور اس پر اپنے اعتماد کا اظہار کرتے تھے۔ جبکہ عہدِ جدید میں یہ رائے ظاہر کرنے کا طریقہ اور حکمران پر اپنے اعتماد کا اظہار کا آلہ ووٹ ہے۔ یہ ووٹ ایک مسلمان کی رائے اور مرضی کا اظہار اور حکمران پر اعتماد کی علامت ہے۔ جس کے ذریعے ہر انسان یعنی ہر مسلمان کاروبارِ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکومت میں خود کو ذمہ دار اور شریک تصور کرتا ہے۔ اور اپنے حکمرانوں کے اعمال و افعال کی ذمہ داری میں خود کو برابر مقتدر تصور کرتا ہے اور عدم اعتماد کے ذریعے اس کا احتساب بھی کرتا ہے۔ اور خدا کی مرضی کو نافذ نہ کرنے والے حکمرانوں اور اعمالِ حکومت کی گوشمالی کر سکتا ہے۔ آج کی پیچیدہ اور میکانکی ریاست میں نہ تو بیعت عام کے لیے مسجدوں کا رُخ ممکن ہے اور نہ کسی میدان میں تمام انسانوں کو بیعت اور اظہار رائے کے لیے اکٹھا کرنا ممکن ہے تاہم بیعت کی روح، اظہار رائے کا جدید طریقہ ووٹ اپنانا ایسے ہی ہے جیسے اونٹ کو چھوڑ کر کار، ریل یا جہاز پر سفر کرنا۔ اب اگر کوئی اونٹ کے سفر پر ہی اصرار کرے تو ایسے فاتر العقل کے لیے سوائے دعا کے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔

اقتدارِ اعلیٰ اور تھیاکریسی

یہاں ایک معروف غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے اسلام میں اقتدارِ اعلیٰ عوام کے پاس نہیں بلکہ عوام کے پاس اقتدارِ اعلیٰ خدا کی امانت ہے اور وہ خدا کے اقتدارِ اعلیٰ کے امین ہیں یاد رہے کہ اسلام میں اقتدارِ اعلیٰ تمام مسلمان عوام کے پاس امانت ہے کسی ایک نسل، جماعت، طبقہ یا گروہ کے پاس نہیں اس لیے اسلام پر تھیاکریسی کے کسی مفہوم کا اطلاق نہیں ہوتا۔ تھیاکریسی میں یہ اقتدارِ اعلیٰ کسی ایک طبقہ یا گروہ کے پاس ہوتا ہے وہ خدا کا خود کو مامور تصور کرتا ہے اور خدا کی مرضی کا خود کو شارح اور نافذ کنندہ بنا کر پیش کرتا ہے۔ ہمارے ہاں ملائیت نے یہ منصب اپنانے کی کسی قدر کوشش کی ہے مگر اسے ایجابیت کا درجہ کبھی حاصل نہیں ہوا۔ لہٰذا اسلام میں خدا کی مرضی کے نافذ کرنے کی ذمہ داری مسلمانوں پر ہے۔ کوئی گروہ اور طبقہ ایسا تقدس اور اختیار نہیں رکھتا جو خدا کے قوانین کا شارح اور نافذ کنندہ ہو۔ ہمارے ہاں صرف مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم نے اسلامی حکومت کو ایک طرح کی تھیاکریسی قرار دے کر اسلام کی نظریاتی حکومت کی غیر درست طور پر تفہیم کی۔ مولانا فرماتے ہیں:

"اسلامی ریاست، جس کا قیام اور فروغ ہی ہمارا نصب العین ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ تو مغربی اصطلاح کے مطابق مذہبی حکومت Theocracy ہے اور نہ جمہوری حکومت Democracy بلکہ وہ ان دونوں کے درمیان ایک الگ نوعیت کا نظام سیاست و تمدن ہے جو ذہنی اُلجھنیں آج کل مغربی تعلیم یافتہ لوگوں کے ذہن میں "اسلامی ریاست" کے تصور کے متعلق پائی جاتی ہیں۔ وہ دراصل ان مغربی اصطلاحات سے پیدا ہوتی ہیں جو لازماً اپنے ساتھ مغربی تصورات اور اپنے پیچھے مغرب کی تاریخ کا ایک پورا سلسلہ بھی ان کے ذہن میں سامنے لے آتی ہیں۔ مغربی اصطلاح میں مذہبی حکومت دو بنیادی تصورات کا مجموعہ ہے:

۱۔ خدا کی بادشاہی، قانونی حاکمیت Legal Sovereignty کے معنی میں اور

۲۔ پادریوں اور مذہبی پیشواؤں کا ایک طبقہ جو خدا کا نمائندہ اور ترجمان بن کر خدا کی اس بادشاہی کو قانونی اور سیاسی حیثیت سے عملاً نافذ کرے۔"[۶۳]

مولانا کے نزدیک

"اسلام میں اس مذہبی حکومت Theocracy کا صرف ایک جزو آیا ہے اور وہ ہے خدا کی حاکمیت کا عقیدہ اور اس کا دوسرا جزو اسلام میں قطعاً نہیں ہے رہا تیسرا جزو تو اس کی بجائے یہاں قرآن اپنے جامع اور وسیع احکام کے ساتھ موجود ہے اور اس کی تشریح کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی قولی اور عملی ہدایات موجود ہیں جن کی روایات میں سے صحیح کو غلط سے ممیز کرنے کے مستند ذرائع ہمیں حاصل ہیں۔"[۶۴]

مولانا کی اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے احساس ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت اور تھیاکریسی دونوں کے بارے میں ان کا نقطہ نظر واضح نہیں تھا۔ کیونکہ اسلامی حکومت توحید

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے نظریہ پر قائم ہونے والی ایک نظریاتی ریاست ہے اس کا تھیاکریسی کے کسی تصور سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس لیے کہ تھیاکریسی کا بنیادی جوہر خدا کی بادشاہت نہیں بلکہ خدا کے نام پر ایک خاص طبقہ، گروہ یا جماعت کی بالادستی کا تصور ہے جو خود کو صالحین اور خدا کی مرضی کا شارح تصور کرتی ہے مولانا کے غالباً اسی تصور الٰہی تھیاکریسی یا تھیوڈیموکریسی کے نتیجے میں ہی ان کی جماعت کے ارکان میں خود کو صالحین تصور کرنے کا رجحان پیدا ہوا اور وہ حکومت اور ریاست پر اپنا حق جتانے لگے۔ حالانکہ اسلام کا صالحین کے کسی گروہ سے کوئی واسطہ نہیں وہ تو تمام مسلمانوں پر خدا کی نیابت کا حق جتاتا ہے۔ پروفیسر محمد مظہر الدین صدیقی تھیاکریسی کے اسی تصور کو اسلام کے نظام حکومت کی روح کے منافی قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

"ایک بنیادی وجہ تھیاکریسی کے اسلام میں نہ ہونے کی یہ ہے کہ مسلم سماج میں کوئی ایسا انسانوں کا مخصوص طبقہ نہیں جس کے سپرد اسلام یا مذہب کی تبلیغ و خدمت ہو۔ تمام مسلمانوں سے اس امر کی توقع کی جاتی ہے کہ وہ زندگی میں جس حیثیت اور مقام پر ہوں وہ اسلام کے مطابق اپنی زندگیاں ڈھالیں وہ اسلام کے تصورات کو اپنائیں اور ان میں اپنی طرف سے مزید نئے تصورات سموتے رہیں۔ اسلام نے مذہب میں اجارہ دارانہ رجحانات کی سختی کے ساتھ مخالفت کی ہے اور ہر مسلمان کو انفرادی طور پر خدا کے حضور جواب دہ قرار دے کر اسے اہم رتبہ دیا ہے اسلام نے مذہبی انسان (پادری عیسائیت میں اور مولوی اسلام میں) اور ایک عام انسان میں کوئی امتیاز قائم نہیں کیا اور ہر طرح کی رہبانیت مکمل طور پر ممنوع قرار دی ہے۔" [۶۵]

مولانا محمد حنیف ندوی کہتے ہیں کہ اسلام میں تھیاکریسی کی کوئی صورت بھی موجود نہیں اس لیے کہ

"چودہ سو سال کی تاریخ میں ایک مثال بھی ایسی نہ ملتی ہو کہ علماء، فقہا اور محدثین نے بحیثیت ایک ادارہ یا جماعت کے کبھی سیاسی اقتدار کی خواہش اور آرزو کا اظہار کیا ہو یا کبھی عنانِ اقتدار ان کے ہاتھ لگی ہو۔" [۶۶]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لہذا یہ کہنا کہ اسلام کی حکومت بھی ایک طرح کی یا ایک مفہوم میں تھیاکریسی ہے اسلام کے نظام حکومت کے بارے میں غلط بات ذہن میں بٹھانے کے مترادف ہے۔ اسلام میں ہر مسلمان کی رائے ایک جیسا احترام رکھتی ہے اس لیے کہ ہر مسلمان خدا کا نائب اور خدا کی امانت کا امین اور جواب دہ ٹھہرایا گیا ہے۔

مولانا حنیف ندوی تھیاکریسی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"تھیاکریسی کا تعلق اس عہد سحری (Magic Age) سے ہو سکتا ہے جس میں کاہنوں اور پروہتوں سے ہر ہر مسئلہ پر استصواب کیا جاتا ہے اور انفرادی معاملات سے لے کر امور مملکت تک میں ان کی رائے کو اہم مانا جاتا ہے۔ یہودیوں کی اس حکومت میں اس کی جھلک نظر آتی ہے جب احبار کو معاشرہ پر پورا پورا قابو حاصل تھا۔ اور ان کا یہ دعویٰ تھا کہ ان کی رسائی براہ راست اللہ کی خوشنودی سے ہے اس کا ثبوت کلیسا کے اس ہمہ گیر اقتدار میں بھی ملتا ہے جس نے عقل و ادراک کے خلاف صدیوں محاذ جنگ قائم کیے رکھا۔ رہا اسلام تو کیا نظریہ کے اعتبار سے اور کیا تاریخی لحاظ سے اس پر تھیاکریسی یا پاپائیت کا سایہ بھی کبھی نہیں پڑا۔" [۶۷]

آپ مزید فرماتے ہیں:

"تھیاکریسی کی اساس اس اذعانیت (Dogma) پر مبنی ہے کہ پروہتوں کاہنوں اور بزرگوں کے ایک گروہ کو براہ راست اللہ تعالیٰ یا بعض ارواح کی نیابت حاصل ہے اور یہ گروہ عقلی استدلال اور اصول و آئین کی بجائے روشنی اور ہدایت اللہ سے یا دیوتاؤں سے حاصل کرتا ہے اور اسلام کسی اذعانیت کو تسلیم نہیں کرتا، وہ کسی ایسے منتخب گروہ کی عصمت و حرمت کا قائل نہیں ہے جو کتاب و سنت اور فقہ سے بے نیاز ہو کر براہ راست حقیقت سے استفادہ کا مدعی ہو۔" [۶۸]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"علاوہ ازیں تھیاکریسی پر مبنی نظام اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک کہ معاشرہ میں مذہب کے اجارہ داروں کی حیثیت مسلم نہ ہو اور اسلام میں اس طرح کی اجارہ داری کی قطعی گنجائش ہی پائی نہیں جاتی۔" [۶۹]

خلیفہ حکیم اپنی کتاب پرافٹ اینڈ ہز میسج میں لکھتے ہیں:

"اسلامی سماج میں مذہبی لوگوں کی کوئی مخصوص جماعت قائم کرنے کی اجازت نہیں جو خود مدعی ہوں کہ وہ مذہبی زندگی رکھنے والے اور مذہبی معاملات کا علم رکھنے والے ایسے لوگ ہیں جو دوسروں سے زیادہ قابل احترام ہیں۔ انہیں کوئی مخصوص قانونی اور معاشی مذہبی یا اخلاقی فوقیت حاصل نہیں۔" [۷۰]

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اسلام کے جس نظام حکومت کو ایک طرح کی تھیاکریسی کہتے ہیں گرچہ وہ تھیاکریسی تو اس نسبت سے تو مختلف ہے جس میں راہبوں اور پادریوں یا کلیسائے روم کی طرز پر کوئی مقدس ادارہ موجود ہو جو خدا کی ہدایت کا شارح بزعم خویش خود کو سمجھتا ہو۔ ان کے مطابق:

"یہاں ایک بالاتر بنیادی قانون خود اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کے ذریعے سے دیتا ہے۔ جس کی اطاعت ریاست اور قوم کو کرنی پڑتی ہے۔ لہذا اس معنی میں اسے جمہوریت نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے لیے زیادہ صحیح نام "الٰہی حکومت" ہے۔ جس کو انگریزی میں Theocracy کہتے ہیں مگر یورپ جس تھیاکریسی سے واقف ہے۔ اسلامی تھیاکریسی اس سے مختلف ہے۔ یورپ اس تھیاکریسی سے واقف ہے جس میں ایک مخصوص مذہبی طبقہ Priest class خدا کے نام سے خود اپنے بنائے ہوئے قوانین نافذ کرتا ہے اور عملاً اپنی خدائی عام باشندوں پر مسلط کر دیتا ہے ایسی حکومت کو تو الٰہی حکومت کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوالاعلیٰ مودودی نے بڑے زور شور کے ساتھ پیش کیا ہے اور جس کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ حکومت عوام کے سامنے جواب دہ نہ ہو۔ تاریخی حیثیت سے یہ اصول نیا نہیں۔ یورپ میں ایک عرصہ تک تھیاکریسی (Theocracy) کے نام سے اس کا چرچا رہا اور روم کے پاپائے اعظم کا اقتدار اسی تصور کا نتیجہ تھا۔ لیکن لوگوں نے یہ محسوس کیا کہ چونکہ خدا کوئی ناطق ادارہ نہیں اس لیے جس شخص کو خدا کے نام پر اختیار و اقتدار مل جاتے وہ بڑی آسانی سے اس کا غلط استعمال کر سکتا ہے۔ مولانا مودودی کے حلقۂ خیال کے لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا تصور سیاست پاپائے اعظم کے تصوّر سے مختلف ہے۔ لیکن چونکہ وہ حکومت کو عوام کے سامنے جواب دہ قرار نہیں دیتے اور اسی بنیاد پر جمہوریت کو غلط سمجھتے ہیں اس لیے نتیجتہً ان کا تصور پاپائے اعظم ہی کا تصوّر ہو کر رہ جاتا ہے۔"[۲]

مولانا مودودی نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ

"امیر تنقید سے بالاتر نہ ہوگا۔ ہر عاصی مسلمان اس کی پبلک کاموں ہی پر نہیں بلکہ اس کی پرائیویٹ زندگی پر بھی نکتہ چینی کرنے کا مجاز ہوگا وہ قابلِ عزل ہوگا۔ قانون کی نگاہ میں اس کی حیثیت عام شہریوں کے برابر ہوگی۔"[۳]

سیّد مودودی کے اسلامی جمہوریت کے تصوّر اور اس کی وضع کردہ اصطلاح "الٰہی جمہوریت" ابوسعید بزمی، مولانا حنیف ندوی اور پروفیسر مظہرالدین صدیقی کے تھیاکریسی کے بارے میں بیان کے بعد ایک عجیب تاثر پیدا ہوتا ہے۔ اسلام میں دراصل کسی بھی نوع کی تھیاکریسی موجود نہیں ہے۔ تھیاکریسی کا اطلاق الٰہی حکومت کے مفہوم میں نہیں ہوتا۔ اسلامی جمہوریت کو سیّد مودودی اس لیے تھیاکریسی کہتے ہیں کیونکہ اس کے قانون کا ماخذ خود خدا ہے اور اس کے قانون میں ردوبدل کی گنجائش زیادہ نہیں۔ مگر محض اس بنا پر کہ اسلام کے اصول حکمرانی خدا کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بجائے شیطانی حکومت کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ بخلاف اس کے اسلام جس تھیاکریسی کو پیش کرتا ہے وہ کسی مخصوص مذہبی طبقہ کے ہاتھوں میں نہیں ہوتی بلکہ عام مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور یہ عام مسلمان اسے خدا کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت کے مطابق چلاتے ہیں۔ اگر مجھے ایک نئی اصطلاح وضع کرنے کی اجازت دی جائے تو میں اس طرزِ حکومت کو Theo-Democracy یعنی "الٰہی جمہوری حکومت" کے نام سے موسوم کروں گا کیونکہ اس میں خدا کے اقتدارِ اعلیٰ کے تحت مسلمانوں کو ایک محدود عمومی حاکمیت Limited Popular Sovereignty عطا کی گئی ہے۔ اس میں انتظامیہ Executive اور مقننہ Legislature مسلمانوں کی رائے سے بنے گی۔ مسلمان ہی اس کو معزول کرنے کے مختار ہوں گے۔ سارے انتظامی معاملات اور تمام وہ مسائل جن کے متعلق خدا کی شریعت میں کوئی صریح حکم موجود نہیں ہے۔ مسلمانوں کے اجماع ہی سے طے ہوں گے اور الٰہی قانون جہاں تعبیر طلب ہوگا وہاں کوئی مخصوص طبقہ یا نسل نہیں بلکہ عام مسلمانوں میں سے ہر وہ شخص اس کی تعبیر کا مستحق ہوگا جس نے اجتہاد کی قابلیت بہم پہنچائی ہو۔ اس لحاظ سے یہ ڈیموکریسی ہے۔ مگر جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے جہاں خدا اور اس کے رسول کا حکم موجود ہو، وہاں مسلمانوں کے کسی امیر کو، کسی مقننہ کو، کسی مجتہد اور عالمِ دین کو بلکہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو مل کر بھی اس حکم میں ایک سرِ مو ترمیم کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ اس لحاظ سے یہ تھیاکریسی ہے۔" [۱۰]

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے اس موقف پر ابو سعید بزمی رسالہ پیغام حق میں لکھتا ہے کہ

"اسلامی ریاست کا ایک تصور وہ بھی ہے جسے حال ہی میں مولانا سید

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عطا کردہ اور اٹل ہیں۔ اسلامی نظامِ حکومت کو تھیاکریسی نہیں کہا جا سکتا۔ اس لیے کہ خدا نے ایک تو کسی گروپ کو ان قوانین کا شارح نہیں بنایا۔ دوسرے خدا نے نظامِ حکومت کی اصولی توضیح خود کر دی ہے اور کوئی خدا کا مقرب ہونے کی حیثیت سے ان کی تعبیر اور اطلاق کا مدعی بھی نہیں ہو سکتا۔ مولانا سے ایک سوال ہے کہ اشتراکیت کے اصول بھی کارل مارکس نے مدون کیے ہیں اور کمیونسٹ سماج میں یہ اٹل ہیں اور انہیں کوئی بھی بدل نہیں سکتا تو کیا اشتراکی نظامِ حکومت کو اشتراکی تھیاکریسی کہا جا سکتا ہے جبکہ وہ خود کو نظریاتی نظامِ حکومت کہتے ہیں۔ اسلام کے نظامِ حکومت پر اشتراکی نظامِ حکومت کی طرح تھیاکریسی کے لفظ کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ اسے نظریاتی نظام یا آئیڈیالوجیکل سسٹم کہا جائے گا اس لیے کہ اسلام میں ایک نظریہ یعنی توحیدِ خدا، رسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، توحیدِ انسانیت اور تصورِ معاد کی اساس پر ایک نظام کی تشکیل ہوتی ہے۔

مولانا مودودی کا تصورِ جمہوریت، قدامت پسندی اور رجعت پرستی کا نمونہ ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے اسلامی تھیاکریسی کے جس نظام کو اسلامی نظام قرار دیا ہے اس کی اسلام میں گنجائش نظر نہیں آتی، اسلام کا نظام تھیاکریسی نہیں بلکہ نظریاتی ہے۔ یہاں ایک نظریہ حکومت کی ہیئت اجتماعی اور ہیئت حاکمہ کی تشکیل کرتا ہے اور یہ نظریہ آفاقی اور غیر متبدل ہے اور یہ اسلامی حکومت کی ہیئت میں اساسی حیثیت رکھتا ہے۔

اسلام اور مغربی جمہوریت، اسلام اور تھیاکریسی، اسلام اور اشتراکیت، اسلام اور سرمایہ داریت میں کچھ باتوں کے مشترک ہونے کی بنا پر اکثر لوگ اسلامی جمہوریت، اسلامی تھیاکریسی اور اسلامی اشتراکیت کی اصطلاحیں بے تکلف استعمال کر جاتے ہیں۔ اس کو دیکھے بغیر کہ اس کے کیا نتائج کیا مرتب ہوں گے۔ گرچہ ان کی اس میں دانست یہ ہوتی ہے کہ وہ اسلام کو دورِ جدید کی اصطلاحوں میں بیان کریں۔ علامہ اقبال، قائداعظم، جمال الدین افغانی، سرسید احمد خان، سید مودودی، غلام احمد پرویز اور خلیفہ حکیم نے اسلامی معیشت اور دیگر اسلامی تصورات کی توضیح کے لیے اسلامی سوشلزم، اسلامی تھیاکریسی، اسلامی جمہوریت وغیرہ کی اصطلاحیں بیان کی ہیں مگر اس سے ان کی مراد محض اسلام کو دورِ جدید کی اصطلاحوں میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیان کرنا اور اسلامی تصورات کو دورِ جدید کے ذہن کے لیے قابلِ قبول بنانا تھا۔ اور یہ وہ
بڑی اہم خدمت تھی جو انہوں نے انجام دی۔ اسلام کا ان طریق مغربی اصطلاحوں کے ساتھ ملاپ
بڑے معنی رکھتا ہے۔ اور اس سے اچھا دوسرا طریقہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اسلامی
نظام کی مماثلت تاریخی (External) سے داخلی (Internal) نہیں۔ ان کا
اسلام کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے۔ چنانچہ مولانا مودودی نے الٰہی نہجانہ کی اصطلاح
استعمال کرتے ہوئے اس فرق کو مدِ نظر نہیں رکھا کہ اگر تاریخی طور پر اسلام اور
کے درمیان کوئی رشتہ ہے تو وہ محض تاریخ کا ہے۔ داخل میں دونوں نظام اپنے نظریہ، اپنی ہیئت اپنے
عناصر اپنے ڈھانچہ اور اپنے تاریخ کے اعتبار سے کوئی میل نہیں کھاتے۔ لہٰذا اسلام کے نظام
کو "الٰہی تھیاکریسی" کا نام اسلام کے نظام حکومت کی روح کے منافی ہے

جمہوریت کے لوازم

جیسا اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ جمہوریت پر اعتراضات ان تقاضوں کی نشان دہی کرتے ہیں
جو اس میں موجود ہیں اور جنہیں دور کرنے کے لیے ہر سماج اور معاشرہ مختلف طریقے اختیار
کر سکتا ہے۔ پھر آئیڈیل میں اور عمل میں بُعد اور اطلاق میں فرق بھی ہوتا ہے آئیڈیل حاصل
کرنے کے لیے ہوتا ہے اس لیے نہیں ہوتا کہ اگر اس تک رسائی نہ ہو تو انسان ہاتھ پاؤں
توڑ کر بیٹھ جائے آئیڈیل کی طرف بڑھنے رہنا ہی انسان کا مقدر ہے۔ جمہوریت ایک آئیڈیل
ہے اور اس کے حصول میں ظاہر ہے کئی دشواریاں بھی ہیں اس میں تو صرف یہ دیکھنا چاہیے
کہ سیاسی ہیئت اجتماعیہ یا ہیئت حاکمہ کی تشکیل میں یہ تکنیک کس قدر مفید ہے۔ یہ ایک
ایسا طریقہ ہے جس سے عوام اپنی رائے سے اپنے نمائندے منتخب کر کے پارلیمنٹ میں
بھیجتے ہیں اور یہ نمائندے خدا اور اس کے رسولؐ کے احکام کو نافذ کرنے کے پابند ہیں اور
اگر کوئی اس سے غفلت یا کوتاہی کرے تو مسلمان اس کا احتساب کر سکتے ہیں ان کو اسی ووٹ
کے ذریعے یا تحریک عدم اعتماد کے ذریعے ہٹا سکتے ہیں یا انتہائی صورت میں خروج بھی کیا جا
سکتا ہے۔ یہ نمائندے خدا اور رسولؐ اور اپنے خلیفۃ الارض جمہور [illegible] سامنے بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جواب دہی ہیں چنانچہ ایک ... نظریاتی اور اسلامی حکومت کی تشکیل کے کچھ لوازم ہیں جن کو بتدریج معاشرے میں بروئے عمل لایا جا سکتا ہے۔ اور یہ اس نظام حکومت کے شامل ہونے کا یا بالا سے ہٹکارا ہونے اور مستحکم رہنے کے لیے ضروری ہے۔

تاہم اس سے مطلب یہ بھی نہیں کہ جب تک یہ لوازم حاصل نہ ہوں جمہوریت نافذ نہ کی جائے۔ جمہوری عمل کے نفاذ کے لیے جہاں یہ لوازم ضروری ہیں وہاں جمہوریت بھی ان لوازم کے حصول کے لیے واحد مفید طریق کار ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے متصل ہیں اور دونوں باہم دگر ساتھ چلتے ہیں لہٰذا ان لوازم کی عدم موجودگی کا بہانہ بنا کر جو کوئی ان کے نفاذ سے پہلوتہی کرتا ہے یا جمہوریت کی مخالفت کرتا ہے وہ دیانت دارانہ کا مظاہرہ نہیں کرتا۔ جمہوری عمل سے ہی یہ لوازم حاصل ہوتے ہیں۔

۱۔ جمہوریت کی کامیابی کے لیے رائے عامہ کا احترام، ایک دوسرے کے لیے بردباری اور برداشت بہت ضروری چیز ہے۔ ہم دوسرے کا نقطہ نظر ٹھنڈے دل سے سن سکیں **اختلاف** رائے کو قبول کر سکیں، مسائل کو سمجھنے کے لیے متعدد زاویہ اختیار کر سکیں، حقائق کو صرف اپنی عینک سے ہی نہیں دوسروں کی نظروں سے بھی دیکھ سکتے ہوں، تبصرہ و تنقید کے لیے دوسرے کے حق کو بھی تسلیم کریں۔ میرے نزدیک سچ بات کہنے سے زیادہ مشکل سچ بات سننا ہے۔ دنیا میں سچ بات کہنے والوں کو سچ بات نہ سننے والوں نے اذیتیں دی ہیں۔ اگر ہم میں سچ بات سننے کی عادت ڈال لیں تو سچ بات کہنے والوں کی کمی نہ رہے گی اگر کوئی آپ سے مخالف یا خلاف دلیل سے بات کرتا ہے تو اس کی بات کو سنئے پھر پائے اسے رد کر دیا جائے یا قبول کر لیا جائے۔ جمہوریت دراصل دوسرے کو حق رائے یا حق اختلاف دینے کا نام ہی ہے۔ اگر آپ دوسروں کو یہ حق نہیں دینے کو وہ آپ سے اختلاف رائے رکھیں تو آپ آمرانہ مزاج رکھتے ہیں۔

۲۔ جمہوریت کی کامیابی کے لیے لوگوں کو اس بات کا یقین دلانا بھی لازم ہے کہ وہ اپنے ہم خیال لوگوں کے ساتھ مل کر ایک گروہ، سیاسی جماعت کی تشکیل کر سکیں۔ جتنی زیادہ ... اور سیاسی جماعتیں ہوں گی اتنی ہی اس ملک میں جمہوریت مستحکم ہوگی۔ یا ہی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جماعتیں افراد کے گرد نہیں اصولوں اور نظریات کے گرد منظم کی جانی چاہییں۔ وہ خود بھی جمہوری مزاج اور جمہوری اصولوں پر متشکل ہوں وہ نعروں کی بجائے اپنے منشور پر لوگوں سے اپنے بارے میں رائے طلب کریں۔ یہ سیاسی جماعتیں چھوٹے چھوٹے مفادات کی بجائے قومی امنگوں اور آرزوں کو پیش نظر رکھیں۔ اگر کسی ملک میں جمہوری عمل قائم ہو جائے تو آہستہ آہستہ یہ جماعتیں از خود بھی بڑی اور مستحکم ہو جاتی ہیں۔ انتخابات میں کامیابی کی خواہش انہیں متحد کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ عوام کا دباؤ بھی ان کو متحد کرتا ہے چھوٹی سیاسی جماعتوں پر پابندی بھی جماعتوں کی تعداد محدود کرنے میں مددگار ہو سکتی ہے تاہم جمہوری عمل کے ذریعے ان کی تحدید ضروری ہے۔

۳۔ جمہوریت کی کامیابی کے لیے سیاسی قیادتوں اور سیاسی لیڈروں کا بالغ نظر ہونا، قومی مقاصد و مفادات سے مخلص ہونا اور ملک کی سالمیت اور یک جہتی پر ایمان رکھنا اور عوام کی ان سے وفاداری بھی بڑی لازم ہے۔ سیاسی قیادت کے لیے لازم ہے کہ وہ عوام کو بہکانے کی بجائے عوام کی خدمت پر یقین رکھتی ہو

۴۔ اس نظام حکومت کو کامیاب کرنے کیلئے ہر مسلمان فرد کو جس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں دینی اور دنیاوی تعلیم سے مرصع ہونا چاہیے۔ اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ حکمران حکومت سنبھالتے ہی جس چیز پر سب سے زیادہ زور دے وہ مسلمانوں کی تعلیمی حالت بہتر بنانا ہے کیونکہ تعلیم کے بغیر نہ تو وہ معاشرے کے مسائل سمجھ سکتے ہیں اور نہ وہ اچھے اور برے کی تمیز رکھ سکتے ہیں اور نہ دین کے نفاذ اور اس کی برکات سے صحیح طور پر متمتع ہو سکتے ہیں لہٰذا جمہوریت کا ایک لازمی تقاضا فروغ علم ہے اور یہ علم دنیا و دین دونوں کا ہونا ضروری ہے۔

۵۔ معاشی خوشحالی کے بغیر جمہوریت کسی معاشرے میں پنپ نہیں سکتی۔ اس لیے ہر مسلمان کو اقتصادی ترقی کی طرف توجہ دینی چاہیے اور ہر مسلمان حکومت کا فرض ہے کہ وہ عوام کی معاشی، طبی اور رہائشی حالت بہتر بنانے پر توجہ دے۔ یعنی روٹی کپڑے اور مکان کا بندوبست کرے۔ عوام کے لیے حلال وسائل روزگار کو فروغ دے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کی اس سلسلے میں رہنمائی اور مدد کرے اور ایسی اقتصادی منصوبہ بندی کرے کہ معاشرے کی دولت انصاف کے ساتھ تمام مسلمانوں تک بآسانی پہنچ سکے۔ اور افلاس کے خوف میں کوئی شخص مبتلا نہ رہے۔ ہر مسلمان اپنے روزگار کے لیے اور اپنی ضرورت کے لیے اسلامی حکومت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے اور قانون کے ذریعے اپنے لیے معاشی تحفظ حاصل کر سکتا ہے۔ جمہوریت کی کامیابی کے لیے عوام کی معاشی فلاح لازم ہے۔

۶۔ جمہوریت کی کامیابی کے لیے ملک بھر میں مختلف اداروں کا وجود ناگزیر ہے۔ یہ ادارے مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ سیاسی استحکام کے ادارے، خود مختار پارلیمنٹ، آزاد اور جرأت مند عدلیہ، سیاسی جماعتیں، الیکشن کمیشن، پریشر گروپس، عوامی رائے عامہ پر اثر انداز ہونے والے ادارے مختلف مسائل و حالات پر اعداد و شمار فراہم کرنے والے ادارے، ذرائع ابلاغ کی آزادی اور ذمہ دارانہ تشکیل، اخبار، ریڈیو، ٹیلی ویژن کے ادارے۔ جو عوام کو دیانت داری سے حالات و مسائل سے تجزیے کے ساتھ آگاہ رکھیں۔

ب۔ معاشی ادارے جو لوگوں کو مستحکم بنیادوں پر روزگار فراہم کر سکیں تاکہ غربت اور لالچ کی بنیاد پر عوام اپنی رائے تبدیل نہ کریں۔

ج۔ اخلاقی تربیت کے ادارے۔ جو عوام میں خدا، رسول کے احکام کے مطابق اعلیٰ اخلاقی خصائص دیانت داری، ایثار، تحمل و بردباری اور اصابت رائے پیدا کریں۔

۷۔ جمہوریت کی کامیابی کے لیے قانون کی حکمرانی، قانون کی بالادستی نہایت ضروری ہے ایسا انصاف اور عدل فراہم کیا جائے جس میں ایک معمولی انسان بھی حکمران سے احتساب کر سکے۔ اس سے کسی زیادتی کی باز پرس کر سکے۔ حصولِ انصاف کا طریقہ سہل ہو۔ انصاف مظلوم طلب نہ کرے بلکہ ریاست ظالم کو خود سزا دے اور مظلوم کی بے طلب دادرسی کرے۔ بڑے سے بڑا ظالم قانون کی گرفت سے آزاد نہ ہو اور چھوٹے سے چھوٹا مظلوم مالی وسائل کی بنا پر انصاف سے محروم نہ رہے۔ انصاف فراہم کرنا ریاست

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی انتخابی ذمہ داری ہے۔

۸۔ جمہوریت کی کامیابی کی اگر مذکورہ ضروریات پوری کر دی جائیں تو باقی ضرورت خود بخود پوری ہو جائے گی تاہم اس پر بھی توجہ دینا ضروری ہے اور وہ ہے عوام کی اخلاقی اور سیاسی تربیت۔ جتنی توجہ اسلامی حکومت اس پر دے گی اتنی ہی عوام میں سیاسی اور اخلاقی بیداری اور قوت پیدا ہو گی۔ اور وہ اپنے ملک کے سیاسی نظام کے لیے مفید ہو سکیں گے۔ اس طریقہ سے جمہوریت کے نقائص پر بھی قابو پایا جا سکتا ہے اور یہ ایک مثالی نظام کی صورت میں ڈھل سکے گی۔ اور اس نظام کے فیوض و برکات عام انسانوں تک بھی پہنچ سکیں گے۔

جمہوریت — کے لیے چند دلائل

اگر اسلامی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو اس بات کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو اپنے اعزہ میں سے کسی کو اپنی جگہ مسلمانوں کا امیر مقرر کیا اور نہ اپنے قریبی دوستوں میں سے کسی کے لیے اپنے بعد خلافت اور امامت کا اشارہ کیا۔ صرف نماز کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اشارہ کیا کہ وہ جماعت کرائیں۔ مگر اس سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ حضورؐ کے بعد خلافت پر صرف ان کو حق حاصل تھا۔ وصال نبیؐ کے بعد جتنے بھی خلافت کے مدعی سامنے آئے انہوں نے محض اپنی خدمات کے حوالے سے خلافت کے لیے اپنا استحقاق جتایا۔ حضورؐ کی طرف سے اپنی خلافت یا امامت کی سند کسی نے پیش نہیں کی۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ خود نے اپنے بعد خلافت یا اپنا حکمران منتخب کرنے کا حق تمام مسلمانوں کو دیا کہ وہ جسے بہتر سمجھیں۔ ان ؐ کے بعد اس کو مسند اقتدار پر بٹھائیں۔ پھر جب انصار، مہاجرین اور سائبان حضرت علیؓ کے مابین اختلاف واقع ہوا تو جس امر نے فیصلہ کن کردار ادا کیا وہ حضرت عمرؓ کی حضرت ابوبکرؓ کے حق میں بیعت تھی۔ یعنی حضرت عمرؓ نے اپنا حق رائے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حق میں استعمال کیا۔ اور پھر ان کے اتباع میں باقی صحابہؓ نے بھی اپنا حق رائے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پلڑے میں ڈال دیا۔ یہ پہلا بیعت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا رائے دہی کا طریقہ تھا جو مسلمانوں نے اپنایا اس کے بعد حضرت عمرؓ نے بھی کسی ایک کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا بلکہ کچھ لوگوں کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کر کے صرف یہ مشورہ دیا کہ ان میں سے کسی ایک کو خلافت کے لیے منتخب کر کے بیعت لی جائے۔ یعنی عام مسلمانوں کی رائے اس انتخاب کے بارے میں طلب کی جائے۔ یہاں کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا کب انتخاب ہوا تھا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نامزد کر دیا تھا۔ مگر شاید یہ حالات و واقعات کو نظر انداز کرنے کا باعث ہے حضرت عمرؓ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نامزد ضرور کیا مگر ان کے لیے بھی لوگوں کی بیعت لی گئی اور اس کے بعد ہی ان کی خلافت مؤثر ہوئی ایسا نہیں ہوا کہ حضرت صدیقؓ نے نامزد کر دیا اور حضرت عمرؓ بیعت سے مستثنیٰ قرار دے دیے گئے ہوں۔ یہی صورت حضرت علیؓ کے ساتھ بھی تھی حضرت امیر معاویہؓ نے اس اصول سے انحراف کیا تو متعدد صحابہؓ نے اس کی مخالفت کی اور جب حضرت امام حسینؓ سے بالجبر ان کی رائے یزید کے حق میں لینے کی کوشش کی گئی تو انہوں نے اپنے خاندان کی قربانی منظور کر لی مگر یزید کے حق میں اپنی رائے نہیں دی۔ بیعت، رائے یا عہد جدید کی سیاسی زبان میں ووٹ کی یہ عزت و تکریم کسی اور معاشرے میں نہیں پائی جاتی کیا جمہوریت کے حق میں اس سے بڑی اور کوئی دلیل ہو سکتی ہے۔ پھر وصال نبیؐ کے بعد مسلمانوں کا سیاسی موقف کے لحاظ سے مہاجرین، انصار اور حامیانِ حضرت علیؓ نے تین گروہ میں منقسم ہو جانا کیا اس بات کی دلیل نہیں کہ اسلامی حکومت میں کسی مسئلے پر اختلاف پر لوگ مختلف گروہوں اور جماعتوں میں بٹ سکتے ہیں پھر اگر مذہب کی فقہی تعبیر و تشریح میں مختلف مکاتب فکر وجود میں آ سکتے ہیں تو قرآن کے سیاسی نظام کی تشریح و توضیح اور نفاذ کے لیے مختلف الرائے لوگ سیاسی جماعتوں میں کیوں منقسم نہیں ہو سکتے۔ اور اپنے اپنے موقف کی روشنی میں سیاسی ڈھانچہ کیلئے جدوجہد کیوں نہیں کر سکتے ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اسلام کا ابتدائی معاشرہ سادہ، محدود وسائل اور ضروریات رکھنے والا تھا۔ جوں جوں وہ آگے بڑھتا گیا۔ مسلمان قرآن کی روشنی میں اجتہادات کر کے اپنے معاملات نبھاتے رہے یہ سادہ سماج اگر اسی نہج پر ارتقاء کوشش رہتا تو ارتقائی منازل طے کرتے کرتے خود

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی نظام اپنی نتائج پر پہنچتا جن پر آج نوعِ انسانی پہنچی ہے۔ آج کے پیچیدہ اور میکانکی عہد کے تقاضوں کے سلسلے میں صرف اصولی حد تک خلافت راشدہ سے رہنمائی لی جا سکتی ہے اور ہم عہد حاضر کے اصولوں کی تدوین میں اپنے حالات کے تجزیے سے فیصلے کر سکتے ہیں۔ پدرم سلطان بود کے زعم میں آج کے عہد کو بالکل اسی عہد میں بریکٹ کرنے کی کوشش ایک ناممکن العمل بات ہے اس سے تاریخ کا دھارا پیچھے کی بجائے آگے کی طرف اپنے فورم بڑھاتا ہے۔ لہٰذا اگر بیعت کا اصول ترقی (GROW) کرتا تو وہ ووٹ بایلیٹ کی موجودہ شکل سے مختلف نہ ہوتا پھر بیعت کو ظاہراً بدلنے کی بجائے اس کے اصل مغز کو دیکھنا چاہیے جس کا مطلب رائے لینا یا رائے دینا ہے۔ ووٹ میں بھی یہی رائے لی اور رائے دی جاتی ہے۔ اور یہی رائے لینا اور دینا اور اس رائے کے ذریعے حکومت کو تبدیل یا اقتدار کو منتقل کرنا جمہوریت کی اصل روح ہے۔

قرآن وحدیث سے دلائل

قرآن اور احادیث نبوی میں سے اگرچہ کسی خاص طرز حکومت کی تخریج ممکن نہیں مگر ایک بنیادی بات جو قرآن وحدیث سے مترشح ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنے معاملات یعنی معاشرہ سماج اور ریاست کے امور باہم صلاح مشورے سے طے کرو اور تمام مسلمان حکمران بھی ہیں اور رعیت بھی۔ اور اپنے امور کے لیے تمام خدا کے ماں جواب دہ ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو ایک ایسا نظام حکومت تشکیل کرنا چاہیے جس میں وہ تمام کے تمام شریک کاروبار حکومت ہو سکیں۔ اور تمام مسلمان اپنی رائے سے حکومت کی تشکیل کریں۔ اور ان کے ذریعے امور مملکت انجام دیے جائیں۔ یعنی حکومت کی تشکیل مسلمانوں کی رائے (ووٹ) سے ہو۔ قرون اولیٰ میں رائے یا ووٹ کی صورت بیعت کی تھی۔ جو رائے کے اظہار کا ذریعہ تھی۔ یہی بیعت یا رائے اب عہد حاضر میں پرچی (ووٹ) کے ذریعے جدید تکنیک کے تحت تشکیل پاتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"خبردار رہو۔ تم میں سے ہر ایک راعی (حکمران) ہے اور ہر ایک اپنی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے اور مسلمانوں کا سب سے بڑا سردار جو سب پر حکمران ہو وہی راعی ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے۔"[۴]

یعنی ہر مسلمان کو خدا اور اس کے بندوں کو اپنے افعال کے لیے جواب دینا ہے خدا تو رب العالمین ہے اور بندوں کو اسی دنیا میں اسی طرح مسلمانوں کا حکمران بھی خدا اور مسلمانوں کے سامنے جواب دہ ہے۔ تمام رعیوں یعنی مسلمانوں کو اپنا راعی مقرر کرنے یا منتخب کرنے اور پھر اس سے جواب لینے کا حق ہے۔ ظاہر ہے یہ راعی کسی خاص شخص کی صورت میں مامور من اللہ نہیں اور نہ کوئی ایسا گروہ ہے۔ اگر یہ جمہور مسلمانوں نے ہی مقرر کرنا ہے۔ تو اس کا طریقہ سوائے انتخاب کے اور کوئی بھی نہیں ہو سکتا۔ اب کوئی از خود مامور من اللہ راعی ہونے کا دعویٰ کر دے اور طاقت کے بل پر راعی بننے کی کوشش کرے تو وہ ایک غاصب ہو گا۔ اگر وہ دھاندلی سے، لالچ سے، طاقت سے بیعت یا ووٹ لینے کی کوشش کرے تو مسلمانوں کے لیے سوائے خروج کے اور کوئی چارہ نہیں مگر عہد حدیبیہ میں خروج کی دونوں شکلیں اپنانی جائیں کی پہلی سطح پر اس کے خلاف رائے ہموار کرنا، عدم اعتماد کا اظہار اور پھر اگر جمہوری طریقے سے ممکن نہ ہو تو عوام کی طاقت سے ایسے راعی کو اقتدار سے ہٹا دیں۔

جمہوریت کی دلیل سورۃ النساء سے زیادہ کوئی اور نہیں ہو سکتی جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اپنی امانتیں (یعنی اعتماد و اختیار) اہلِ امانت (امین لوگوں) کے سپرد کرو۔"[۵]

سورۃ نور کی آیت میں ہدایت اس طرح ہے جو عمل استخلاف سے ظاہر ہے اقتدار و اختیار سب سے بڑی امانت ہے اس لیے امین لوگوں کے سپرد کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ بیعت یعنی ووٹ کا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔"[۶]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کا مطلب تو واضح ہے کہ اقتدار و اختیار ان ہی کی ملکیت ہے اور اللہ اور رسولؐ کا حکم اصل قانون ہے۔ اب صاحب امر کے بارے میں یہ بات کتنی واضح ہے کہ اس کی بھی اطاعت کرو اور یہ صاحب امر تم میں سے ہوں۔ اب یہ مسلمانوں میں سے صاحب امر ہونا سوائے اس کے کس بات کی علامت ہے کہ صاحب امر تم اپنے میں سے منتخب کرو۔ کیونکہ جو شخص طاقت سے اقتدار پر آتا ہے وہ عوام میں سے نہیں ہو سکتا۔ اور نہ وہ ایسا سمجھتا ہے۔ وہ تو خود کو ما فوق البشر اور ظل سبحانی سے کم درجے پر نہیں رکھتا۔ جب وہ مسلمانوں میں سے ہوگا تو مسلمانوں کے سامنے ہی جواب دہ ہوگا۔ تاہم صاحب امر کی اطاعت بھی فی المعروف ہے نیکی کے کاموں میں، غلط یا بدی کے کاموں میں اس کی اطاعت واجب نہیں بلکہ اس کو ہٹانا نیکی ہے۔ بخاری اور مسلم کی ایک حدیث ہے جو عبادہ بن صامت نے روایت کی:

"ہم اپنے حکمرانوں سے جھگڑا نہ کریں گے کہ ہم ان کے کاموں میں کھلا کھلا کفر دیکھیں جو ہمارے پاس ان کے خلاف اللہ کی طرف سے ایک دلیل ہو"[۱۰۴]

یعنی اگر مسلمان کسی حکمران کو دیکھیں کہ وہ خدا اور اس کے رسولؐ کے احکام کی کھلی کھلی خلاف ورزی پر اتر آیا ہے تو اس سے جھگڑا کرنا یعنی اختلاف کرنا اور ہٹانا امر واجب ہے کیونکہ

"معصیت میں کوئی اطاعت نہیں، اطاعت تو صرف معروف میں ہے"[۱۰۵]

اس کے علاوہ قرآن حکیم کی آیات اور متعدد احادیث ہیں جن میں مسلمانوں کو اپنے معاملات چلانے کے لیے آپس میں مشورہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے[۱۰۶] یہ مشورہ حکومت کی تشکیل، امور مملکت چلانے اور صاحب حکومت کو ہٹانے سے لے کر انسانوں کے باہمی نجی امور پر محیط ہے اور جو مسلمان صرف مشورہ دے کر الگ ہو جانے پر قناعت کرتا ہے وہ اس حکم کی روح سے انحراف کرتا ہے۔ مشورہ دینے میں اس مشورہ کا نفاذ اور اس کے نفاذ سے انحراف پر احتساب بھی شامل ہے لہٰذا مسلمان اگر مجلس شوریٰ کی تشکیل کرتے ہیں تو اس کی حیثیت محض ایک مشاورتی بورڈ کی نہیں بلکہ خدا کے احکام کے نفاذ اور عدم نفاذ کی صورت میں احتساب اور حکمران کے حدود و اختیارات کے تعین تک محیط ہوگی۔ اور یہ مجلس شوریٰ منتخب ہوگی کیونکہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ اس وقت تک ہم میں سے نہیں ہو سکتے جب تک ہم اپنی رائے سے انہیں منتخب نہ کریں۔

اسلام میں جمہوریت کے جملہ اوصاف پائے جاتے ہیں اور اسلامی جمہوریت کی سب سے بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فرد کی آزادی اور اجتماع کے مفادات کے مابین ایک توازن قائم کیا گیا ہے۔ اسلام اپنے جمہوری مزاج کی روشنی میں نماز، زکوٰۃ اور حج کے اوّلین فرائض و وظائف کے بارے میں بھی انفرادی روح کی بجائے اجتماعیت کی شان پیدا کرتا ہے اور افراد کو فرداً فرداً نماز پڑھنے کی بجائے نماز قائم کرنے یعنی اجتماعی طور پر وظیفہ نماز ادا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اسلام اپنے معاشرے میں نیکی کے فروغ کے لیے اور معاشرے کی اصلاح کے لیے اداروں کے قیام کو پسند کرتا ہے۔ اسی حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے کہا ہے کہ

"روح اسلام میں بہترین جمہوریت کے عناصر موجود ہیں اور ۔ ۔ ۔ ان کو خاص اداروں میں مجسم ہونے کی تلاش ہے۔ آخر تمام رعایا کے لیے مساواتِ حقوق کا سبق اسلام ہی نے تو پڑھایا تھا اور اس پر عمل کر کے بھی دکھایا تھا۔" ۵۸

اسلامی جمہوریت کی نابندیں اور اسلامی جمہوریت کی تشکیل کی اسلام کی ابتدائی کاوش کے بارے میں حکیم ان ادلیات کا ذکر کرتا ہے جو اسلام کو دیگر نظامات جمہوری پر برتری دلاتی ہیں۔

۱۔ مساوات حقوق کا سبق اسلام ہی نے تو پڑھایا تھا اور اس پر عمل کر کے بھی دکھایا تھا۔

۲۔ اسلام ہی نے یہ تعلیم دی تھی کہ حکومت مشاورت سے ہونی چاہیے۔

۳۔ اسلام ہی نے یہ نمونہ پیش کیا تھا کہ امیر المومنین کو رعیت کا معمولی فرد بھی عدالت میں جواب دہی کے لیے حاضر کر سکتا تھا۔

۴۔ آزادی ضمیر کا اعلان سب سے پہلے اسلام ہی نے کیا تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

21887 www.KitaboSunnat.com

۵۔ اسلام ہی نے سب سے پہلے رفاہی مملکت قائم تھی جس کا کام صرف حفاظت مملکت اور نظم و نسق ہی نہ تھا بلکہ رعایا کی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنا بھی اس کے ذمے میں شامل تھا۔

۶۔ اس جمہوریت میں رنگ و نسل کی کوئی تمیز نہ تھی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فوقیت حاصل نہ تھی۔ ہر شخص دین کے معاملے میں اور طرز بود و باش میں آزاد تھا۔

۷۔ اسلام ہی نے معاشیات میں یہ تعلیم دی تھی کہ قومی دولت کو چند ہاتھوں میں مرتکز نہ ہونا چاہیے۔[۱۸]

وہ لوگ جو جمہوریت کی بجائے آمریت پسند ہیں اور اس خیال کے حامی ہیں کہ کوئی سالم آدمی مرد درویش یا مرد مومن اور سپر مین اقتدار پر آئے وہ اس حقیقت کو بھولتے ہیں کہ افراد کی نسبت ادارے معاشرے میں زیادہ استحکام کے ضامن ہوتے ہیں۔ پھر ایسے نیک افراد اگر ڈھونڈ بھی لیے جائیں تو کیا ضمانت ہے کہ وہ سیاسی، فکری اور قیادت کے لحاظ سے ملک کے لیے مفید بھی ہوں اور حکومت کرنے کی صلاحیتیں اور شعور بھی رکھتے ہوں افراد پر انحصار کرنے کی بجائے نظام پر انحصار زیادہ مفید اور کارگر ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ انسان زیادہ فانی ہے اور پھر ایک [illegible] سے بعد دوسرے انسان کی تلاش ایک ناممکن عمل نہیں تو امر دشوار ضرور ہے قوموں کا مستقبل [illegible] کے سپرد نہیں کیا جا سکتا۔

[illegible] اس طرح کی حکومت قائم کرنا ممکن ہی نہیں اس لیے کہ وہ درویش منش حکمران جو افلاطون کے ہاں مرد مومن اور نٹشے کے ہاں سپر مین ہے وہ ڈھونڈ لانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ آج کی ریاستیں خلافت راشدہ کے دنوں کی ریاستوں کی طرح سادہ بھی نہیں۔ ہمارے خیال میں اسلام میں ملوکیت کے در آنے کا ایک بنیادی سبب جسے آج تک نظر انداز کیا جاتا رہا ہے وہ یہ بھی ہے کہ اسلامی سلطنت فتوحات کی بنا پر جس سرعت سے وسعت پذیر ہوئی اختیار کر رہی تھی اس سرعت سے حکومت کے نظام اور اداروں کو وسعت پذیر نہیں کیا جا رہا تھا۔ حضرت عمرؓ کے بعد جو فتوحات ہوئیں انہیں ذہن میں رکھتے اور حضرت عمرؓ کے بعد اسلامی خلافت کی وسعت پذیری میں جو جمود پیدا ہوا وہ بھی اگر نظر میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہے تو ہمارا متذکرہ صدر نتیجہ اخذ کرنا امر دشوار نہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو خلافت کی پرانی روح کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے خلافت کے پرانے ڈھانچے (STRUCTURE) پر اصرار نہیں کرنا چاہیے اور نئے عہد کے مطابق نیا ڈھانچہ اختیار کرنا چاہیے کیونکہ

"مسلمانوں کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ جمہوریت سے گریز کر کے ڈکٹیٹروں کو تلاش نہ کریں۔ بلکہ عقل و ہمت اور ایثار سے اس جمہوری نظام میں رفتہ رفتہ ایسی اصلاحات کریں کہ اس میں خوبیوں کا پلڑا اس کے نقائص کے مقابلے میں بھاری ہو جائے۔" [۸۲]

آج کے دور میں شخصی اقتدار کو قبول نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ اگر کوئی شخص بہتر ہو گا تو اس سے خیر کی توقع ہے مگر یہ ضروری نہیں کیونکہ اس نظام سے جو خرابی واقع ہوتی ہے اس کا نقشہ خلافتِ راشدہ کے آخری ایام یعنی حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد دیکھا جا سکتا ہے۔ پھر آج کے دور میں جبکہ ریاست اور سماج کے نظامات پیچیدہ ہو چکے ہیں ایسا تجربہ کرنا تاریخ کے پہیہ کو اُلٹا چلانے کے مترادف ہو گا۔ مولانا محمد عاصم ندوی اپنی کتاب اسباب اسلام میں شخصی اقتدار اور جمہوری اداروں کے کردار کو تاریخ کے پس منظر میں تجزیاتی نظر سے دیکھتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ

"شخصی اقتدار کے سینکڑوں برسوں کے تلخ تجربے نے انہیں (اہلِ مغرب) مملکت کے اس فرسودہ نظام سے بیزار کر دیا تھا اور تین سو سال کی قربانیوں کے بعد یہ اس حقیقت کو پا لینے میں کامیاب ہو گئے تھے کہ ایک مطلق العنان اور من مانی کرنے والے شخص کی بجائے پارلیمنٹ یا منتخب مجلس شوریٰ بہر حال زیادہ قابلِ اعتماد ادارہ ہے۔" [۸۳]

اور اگر اس شخصی اقتدار کا تاریخ کی روشنی میں جائزہ لیا جائے تو ہم دیکھیں گے کہ آمریت اور شخصی اقتدار کی تمام صورتوں سے کہیں زیادہ مثبت نتائج جمہوریت نے پیدا کیے ہیں۔ مولانا ندوی کہتے ہیں:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"تاریخ کی اس اٹل شہادت کی روشنی میں دیکھنا چاہیے کہ اقوام عالم میں جب بھی کسی مطلق العنان حاکم نے اقتدار کے نشہ میں کوئی فیصلہ کیا تو اس کے نتائج تباہ کن ثابت ہوئے اور جب بھی کسی جمہوری ادارہ نے سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھایا وہ کامیاب رہا۔" [۸۴]

حنیف ندوی اس سوال کا بھی جواب دیتے ہیں جو جمہوریت کے بارے میں اٹھایا جاتا ہے۔ کہ اس میں تعداد کو دیکھا جاتا ہے اور ان کو تولا نہیں جاتا۔ ندوی کا جواب یہ ہے کہ

"دین اور عقیدہ سے متعلق حق و باطل کی بابت بلاشبہ تغلب و کثرت تعداد کی رہین منت نہیں حق بہر حال حق ہے چاہے اس کا قائل ایک شخص ہو اور پورا معاشرہ اس کا مخالف ہے لیکن جب آپ نظم و نسق کے بارے میں سوچیں گے تو اس میں فیصلہ کن دلیل کی استواریوں کی بجائے موزونیت قرار پائے گی۔" [۸۵]

یہ اس لیے کہ

"جمہوریت میں سوال تجرید کا نہیں اطلاق کا (ہوتا) ہے۔" [۸۶]

اور یہ اطلاق اپنے پیش نظر ہمیشہ کچھ اصول رکھتا ہے جس کی وہ پابندی قبول کرتا ہے چنانچہ

"جمہوریت ہمیشہ اس بات کی پابند ہوتی ہے کہ معاشرہ کسی تہذیب و تمدن اور عقائد و افکار کی عکاسی کا فرض انجام دے اور کوئی بھی قانون اس ڈھنگ کا وضع نہ کرے جس سے عدل و انصاف کے عالمگیر تقاضوں کو گزند پہنچے۔" [۸۷]

جمہوری نظام میں قانون سازی، فیصلہ دہی اور معاشرے میں حسن و قبیح کا فیصلہ کرنے کی اہلیت اور اختیار چند ہاتھوں میں مرتکز کرنے کی بجائے معاشرے کے تمام افراد تک وسیع کر کے پھیلا دیا جاتا ہے۔ اس سے ایک تو معاشرے کے تمام افراد کو اپنے استحقاق کی حفاظت کا حق حاصل ہو جاتا ہے دوسرے وہ اپنے اوپر طاری سیاسی نظام سے اپنا بہت محسوس کرتے ہوئے اس کو چلانے میں سرگرمی اور گرم جوشی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ چنانچہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"جمہوری نظام میں عوام کو جو اہمیت دی جاتی ہے اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ قانون سازی میں خصوصیت سے اس چیز کا خیال رکھا جائے گا کہ اس سے صرف ایک "کلاس" "ایک" طبقہ" اور متمول گروہ کے مفادات و ذوق کی ترجمانی نہ ہو بلکہ پورے معاشرے کے خیالات عقائد اور اقدار کی ترجمانی کی جھلک اس میں پائی جائے۔" [۵۸]

اسلام جب جمہوریت کی بات کرتا ہے تو اس کا تصورِ جمہوریت محض یہ ہے کہ اس کے مفہوم میں گروہوں اور افراد کی بجائے سماج کے اجتماعی فیصلوں کو صائب سمجھا جائے کیونکہ

"جمہوریت کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اس کے فیصلے عوام کی دینی اور ثقافتی مصلحتوں کے مطابق ہوں اور معیار فکر و نظر، عقل و تدبر اور زیادہ سے زیادہ اتفاق رائے کا حصول ہو۔ کوئی اذعانیت اور دھاندلی نہ ہو۔ یعنی جو بات بھی طے ہو افہام و تفہیم سے طے ہو۔ زور قوت اور اقتدار کو من مانی کرنے کا حق نہ ہو۔ اس نظام حکومت میں کسی بھی شخص کو عدل، انصاف اور قانون پر بالادستی حاصل نہیں ہوتی ہر شخص قانون، دستور اور نظام کے سامنے بغیر کسی استثنا کے جواب دہ ہوتا ہے۔" [۵۹]

مولانا ندوی کی نظر میں اس طرح جمہوریت کے معنی یہ ٹھہرتے ہیں کہ

"ایسی ہیئت حاکمہ کو ترتیب دیا جائے جو سب کی نمائندہ، جو قانون اور دستور کی بالاتری کو مانتی ہو اور کسی بھی شخص کو خصوصی مراعات سے بہرہ مند کرنے کی قائل نہ ہو۔ جو انصاف، عقل اور مشورہ کی اساس پر مبنی ہو سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جس کو آسانی سے بدلا جا سکے اور جس کے فیصلوں میں ترمیم کی جا سکے۔" [۶۰]

عام طور پر جمہوریت کو بھی بعض لوگ غیر دینی اور غیر مذہبی تصور کرتے ہیں اور اسلامی سوشلزم کے تصور کی طرح اسلامی جمہوریت کو بھی درخورِ اعتنا تصور نہیں کرتے۔ مگر ان کا یہ مغالطہ ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کردہ سوشلزم اور جمہوریت کی ماہیت Nature کو ایک جیسا تصور کرتے ہیں۔ اگر سوشلزم محض ایک اقتصادی تکنیک ہو تو پھر اس کا موازنہ جمہوریت جو کہ محض ایک سیاسی تکنیک ہے سے کیا جا سکتا ہے۔ یہاں ہمیں حکیم کے اس تصور کے قبول کرنے میں تامل ہے کہ جمہوریت بھی محض ایک نظام حکومت نہیں ہے بلکہ یہ مذہب کی طرح ایک ہمہ گیر تصور ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"آج کل جمہوریت محض ایک نظام حکومت کا نام نہیں رہا بلکہ مذہب کی طرح ایک ہمہ گیر تصور بن گیا ہے اور جس طرح مذہب کا تصور مبہم اور غیر معین ہو گیا ہے وہی حال جمہوریت کا ہے۔ کمیونزم یا اشتراکیت دونوں کا دعویٰ ہے کہ جمہوریت کی صحیح شکل یہی ہے۔ ممالک متحدہ امریکہ میں اکثر لوگ نہ صرف کمیونزم کے خلاف ہیں بلکہ سوشلزم کو بھی اپنی جمہوریت کے منافی سمجھتے ہیں۔" [۹۱]

مگر خلیفہ حکیم کا یہ کہنا تو درست ہے کہ جمہوریت کی مختلف لوگوں نے مختلف تکنیکیں اختیار کی ہیں

البتہ یہ کہنا درست نہیں کہ سرے سے جمہوریت کا کوئی تصور ہی موجود نہیں۔ متذکرہ صدر جمہوریت کے تمام دعوے دار بیت حاکمہ میں عوام کی مساوات اور شرکت کے اپنے اپنے مزاج کے مطابق قائل ہونے کی بنا پر جمہوریت کے مدعی ہیں۔ البتہ کسی حد تک ان کے نظامات ان کے دعووں کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور کسی قدر تکذیب۔ البتہ اسلام ایک کامل جمہوریت کا حکیم کی نظر میں علیہ دار ضرور ہے کیونکہ وہ مغربی جمہوریت کی طرح محض سیاسی یا اشتراکی جمہوریت کی طرح محض اقتصادی جمہوریت پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ جمہوریت کے نصب العین کو تمام انسانی حیات پر پھیلا دیتا ہے۔" [۹۲]

جمہوریت مذہب کی طرح بھی نہیں، مذہب خدا سے کر انسانی زندگی کے تمام پہلو [illegible] بعد الموت تک کے بارے میں تصورات رکھتا ہے جبکہ جمہوریت محض سیاسی زندگی اور وہ بھی رعایا اور ریاست کے نظام کے بارے میں مساوات اور بیت حاکمہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں عوام کی شرکت کا تصور لیے ہوتے ہے۔ جمہوریت مذہب، یا سوشلزم یا بادشاہت وغیرہ پر اپنی بنیاد رکھتی ہے جبکہ مذہب جمہوریت پر اپنی اساس نہیں رکھتا۔ [illegible] نزدیک جمہوریت عوام کی ہیت حاکمہ میں شرکت کی محض ایک سیاسی تکنیک ہے۔ یہ سوشلزم ایک معاشی تکنیک سے بڑھ کر ایک مذہب، ایک دین، ایک نظام اور ایک نظریہ حیات ہے جو ایک دوسرے نظریہ حیات اسلام سے قدم قدم پر متصادم ہے۔ محض اس لئے کہ ظاہری خواص کی بناء پر اسے اسلام سے ہم آہنگ قرار دینا سیاسی مصلحت کی بنا پر درست ہو تو علمی اور منطقی دیانت کے سراسر خلاف ہے۔ اسی طرح جمہوریت اور سوشلزم کو بھی ہم آہنگ قرار دے کر اسلامی سوشلزم کے تصور کی طرح اسلامی جمہوریت کے تصور کو لغو قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس لیے کہ جمہوریت ایک سیاسی ہیت حاکمہ کے بارے میں عوام کی شرکت کی ایک تکنیک ہے۔ اگر یہ سیکولر بنیادوں پر ہو تو مغربی جمہوریت ہو گی۔ اگر معاشی اصولوں پر ہی محض اس کا انحصار ہو تو معاشی یا اشتراکی ہو گی اور اگر اس کا پیمانہ اسلام کی تعلیمات پر ہو تو اسے اسلامی جمہوریت کہا جائے گا۔ اور اس کی ہیت حاکمہ میں عوام کی شرکت ان اصولوں کے مطابق ہو گی جو اسلام ہمیں دیتا ہے۔ لہٰذا جمہوریت کے ظاہری ڈھانچہ Structure کا تعین اس معاشرہ کی دینی اقدار کریں گی جو کہ اسے اپناتا ہے اور اس کی روح اور اس کی تکنیک کے بارے میں دینی اور غیر دینی کا فتویٰ نہ دیا جا سکے گا

مولانا محمد حنیف ندوی اپنی کتاب "اساسیات اسلام" میں اس اشکال کو یوں حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ

> "اس نہج کی ہیت حاکمہ فی نفسہ نہ دینی ہے اور نہ غیر دینی۔ اس کا حال یہ ہے کہ اگر اسے ایسا معاشرہ اپناتا ہے جو دینی قدروں پر ایمان رکھتا ہے تو اس سے ان اقدار کے فروغ وارتقاء کا کام لیا جا سکتا ہے اور اگر معاشرہ بدقسمتی سے بے دین ہے اور دنیا کے معاملہ میں سوا اپنی عقل و فیصلہ کے اور کسی شئے کو مستند نہیں مانتا تو جمہوریت کیا، ہر ازاد حکومت اس سے الحاد کی اشاعت و ترویج ہی کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کام سے گی۔" [۹۳]

مولانا ندوی کے نزدیک جمہوریت کا تب مفہوم اس کے سوا کچھ نہیں کہ

"جمہوریت کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ ایسی ہیئت حاکمہ کو ترتیب دیا جائے جو سب کی نمائندہ ہو۔ جو قانون اور دستور کی بالادستی مانتی ہو اور کسی بھی شخص کو خصوصی مراعات سے بہرہ مند کرنے کی قائل نہ ہو۔ جو انصاف، عقل اور مشورہ کی اساس پر مبنی ہو۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جس کو آسانی سے بدلا جا سکے اور جس کے فیصلوں میں ترمیم کی جا سکے۔" [۹۴]

چنانچہ یہ جمہوریت جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اسے کوئی شخص بھی مزاج اور روح کے اعتبار سے اسلام کے خلاف قرار نہیں دے سکتا۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ یہی ایک طرزِ حکومت ہے جو کہ انسان نے اپنی تمام تر کوششوں سے صدیوں کے تجربے کے بعد سیکھا ہے اور اس کے تصورات کا جدید ایڈیشن اسلام کے ظہور کے ساتھ منظر عام پر آیا۔ کیونکہ اسلام نے اقتدارِ اعلیٰ خدا کو سونپا مگر خدا کی مرضی اور منشا کے مطابق اس اقتدارِ اعلیٰ کے اطلاق کی ذمہ داری اسلام نے کسی فرد، کسی جماعت یا کسی گروہ پر رکھنے کی بجائے پوری ملت اسلامیہ پر ڈال دی اور کہا:

"خبردار رہو، تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے اور مسلمانوں کا سب سے بڑا سردار جو سب پر حکمران ہو، وہ بھی راعی ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ۔" [۹۵]

نہ صرف ملتِ اسلامیہ کے ہر فرد کو ذمہ دار، جواب دہ اور راعی قرار دیا بلکہ اس سے سوا ان کو ایک دوسرے سے مشورت کا حکم بھی دیا اور ایسے راعیوں کی بنیادی خصوصیت مشاورت قرار دیا۔

ا۔ اور اپنے کاموں میں ان سے مشورت لیا کرو۔" [۹۶]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ "اور اپنے کام باہم مشورہ سے کرتے ہیں"۔ [۹۷]

خطیب بغدادی نے حضرت علیؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ

"میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کے بعد کوئی معاملہ ایسا پیش آ جائے جس کے بارے میں نہ قرآن میں کچھ اترا ہو اور نہ آپؐ سے کوئی بات سُنی گئی ہو۔ فرمایا میری امت میں سے عبادت گزار لوگوں کو جمع کرو اور اسے آپس کے مشورے کے لیے رکھ دو اور کسی ایک شخص کی رائے پر فیصلہ نہ کرو"۔ [۹۸]

مشاورت کے بعد انفرادی اور اجتماعی، شخصی اور قومی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے ایک اصول مقرر کیا کہ

"اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں (یعنی اعتماد کی ذمہ داریاں) اہلِ امانت (امین لوگوں) کے سپرد کرو"۔ [۹۹]

پھر مشاورت کے بعد جب اسلامی ریاست کے لوگ اپنی ذمہ داریاں اہل اور امین لوگوں کے حوالے کر دیں تو سب پر ان کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے مگر یہ اطاعت واجب ہونا محض معروف میں ہے۔ بدی میں نہیں۔

۱۔ "اے لوگو! جو ایمان لاتے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول صلعم کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں"۔ [۱۰۰]

۲۔ "معصیت میں کوئی اطاعت نہیں اطاعت تو صرف معروف میں ہے"۔ [۱۰۱-الف]

مگر کٹ حجتی کی بھی اسلام میں گنجائش نہیں کہ ہر بات پر ایک طوفان اٹھایا جائے بلکہ اس اختلاف کی محکم بنیاد ہو۔ عبادہ بن صامتؓ کی روایت ہے۔

"ہم اپنے حکمرانوں سے جھگڑا نہ کریں گے کہ ہم ان کے کاموں میں کھلا کھلا کفر دیکھیں جو ہمارے پاس ان کے خلاف اللہ کی طرف سے ایک دلیل ہو"۔ [۱۰۱]

مغرب کی جمہوریت جہاں محض سیاسی مساوات پر اپنی بنا رکھتی ہے اور اشتراکی جمہوریت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاشی مساوات پر استوار ہوتی ہے وہاں اسلامی جمہوریت ان دونوں سے وسیع تر تناظر میں زندگی کے ہر پہلو میں مساوات کی بنیاد پر اپنی اساس رکھتی ہے۔ جس طرح مغربی جمہوریت میں محض سیاسی حقوق کی بات ہوتی ہے اور عوام کی مرضی سے امور مملکت طے پاتے ہیں اور ریاست کی ہیت حاکمہ کی تشکیل کرتے ہیں اس طرح اشتراکی جمہوریت میں وسائل پیداوار کے حاصل ہونے والا اندوختہ سماج کے تمام افراد میں پھیلانے کا تصور پایا جاتا ہے۔ مگر دونوں کا نقص یہ ہے کہ وہ محض زندگی کے ایک ہی پہلو پر مُصر رہتی ہیں اور زندگی کو کلی طور پر دیکھتے ہوئے مساوات کے اصول پر جمہوریت کی کلی طور پر تشکیل نہیں کرتیں جمہوریت کا صرف سیاسی پہلو ہی نہیں یا محض معاشی دائرہ کار ہی نہیں یا محض معاشرتی سطح پر ہی جمہوری روح کا اطلاق نہیں ہونا چاہیے اس کو زندگی کے ہر پہلو پر محیط ہونا چاہیے چنانچہ حکیم کی نظر میں جمہوریت ایک جزوی تصور نہیں بلکہ اس کے برعکس

"جمہوریت ایک کلی تصور ہے جس کے کئی پہلو اور کئی قسمیں ہیں مثلاً سیاسی جمہوریت[۱۰۲]، معاشی جمہوریت[۱۰۳]، معاشرتی جمہوریت[۱۰۴]۔"[۱۰۵]

مغرب کی جمہوریت محض سیاسی جمہوریت ہے جس میں سیاسی سطح پر تو تمام انسان مساوی ہیں مگر اقتصادی سطح پر آزاد مسابقت اور تنازعہ للبقا کے حوالے کر دیئے گئے ہیں سوال یہ ہے کہ اگر اقتصادی سطح پر آزاد مسابقت کا کوئی جواز ہے تو یہ سیاسی سطح پر کیوں نہیں اور اگر سیاسی سطح پر آزاد مسابقت انارکیت پر منتج ہوتی ہے تو کیا اقتصادی سطح پر آزاد مسابقت استحصال پر منتج نہیں ہوتی چنانچہ جس طرح سیاسی سطح پر ریاست اپنے اداروں کے ذریعے اپنے شہریوں کے مابین مساوات کو قائم کرنے کی ذمہ دار ہے اس طرح معاشی سطح پر بھی اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ استحصال کی ہر صورت کو ختم کرے اور معاشرے کے وسائل میں بھی اصول مساوات کو بروئے کار لائے۔ اسی طرح اشتراکی معاشرے جو محض معاشی جمہوریت کو ہی حرز جان بناتے ہوئے ہیں اور جنہوں نے سیاسی جمہوریت کے تصور کو غتر بود کر کے پرولتاریہ آمریت کے نام پر ایک پارٹی کی فسطائیت اور ٹیکنوکریٹ کی جبریت کو معاشی مساوات کا جواز بنا کر اپنایا ہوا ہے۔ انہیں بھی یہی سوال ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ انسان نے شعوری زندگی کے ابتدائی مرحلے سے لے کر آج تک محض ایک ہی جوا اتار پھینکنے کے لیے جدوجہد کی ہے اور وہ ہے جبر، استبداد اور غلامی کا جوا، مگر اشتراکیت نے معاشی مساوات کے نام پر جس طرح کا نظام اپنے ہاں رائج کیا ہے وہ بیسویں صدی میں انسان کے استحصال کی بدترین مثال ہے۔ اور محض اسی بنیاد پر اشتراکیت کو ناقابل قبول قرار دیا جا سکتا ہے کہ یہ انسان کی حیوانی احتیاجات پوری کرنے کے نام پہ انسانی احتیاجات کی تسکین کے دیگر ذرائع سے محروم کر دیتی ہے۔

اس کے برعکس اسلام انفرادیت اور اجتماعیت کی خوبیوں کا ایک حسین امتزاج ہے اور ان کے نقائص سے اسلام کا دامن تہی ہے۔ جیسا کہ ہم نے قبل ازیں قرآنی آیات اور احادیث کے حوالے سے بیان کیا ہے اسلام اپنی فطرت میں جمہوری مزاج رکھتا ہے۔ اس کی عملی صورتیں جو رہی ہیں اگر انہیں ان کے زمانوں کے پس منظر میں اور انسانی شعور کی ان ادوار کی سطحوں کے حوالے سے دیکھا جائے اور دنیا میں اس وقت کے مروجہ نظاموں کے ساتھ موازنہ کرتے ہوئے غور کریں تو اس حقیقت کے قبول کرنے میں کوئی باک نہیں ہونا چاہیے کہ اسلام نے اپنے جن اصولوں کی تعلیم دی تھی اور مسلمانوں نے جو بھی اس کے تحت نظام اپنایا وہ اپنے عہد کی دیگر مملکتوں کے نظامات سے کہیں جمہوری تھا۔ البتہ اسلام کی تعلیمات سے وہ مکمل طور پر ہم آہنگ نہ تھا۔ ہمارا کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اسلام کے پیروؤں نے خلافت راشدہ کے بعد بھی دوسری مملکتوں کے نظامات سے بہتر جمہوری مزاج کا نظام اپنائے رکھا اور جوں جوں وہ اس سے دور ہٹتی چلی گئیں۔ اپنے زوال کے پنجوں میں گم ہوتی چلی گئیں۔ اسلام کے عہد اول کے جمہوری مزاج کے بارے میں حکیم لکھتا ہے:

"آغاز اسلام کا انقلاب ایک ہمہ گیر تغیر حیات کا متقاضی تھا اور ان تمام تغیرات کا رُخ جمہوریت کی طرف تھا۔"[۱۰۶]

مگر بعد میں جمہوریت کی طرف سے یہ رخ ملوکیت کی طرف پھر گیا۔ اس کی طرف حکیم یوں اشارہ کرتا ہے کہ

"لیکن بہت جلد قدیم روایات پھر اُبھر آئیں خلافت سلطنت میں تبدیل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوگئی۔ سرمایہ داری، زمینداری، جاگیرداری اور غلامی پھر عود کر آئی اور وہ انداز فکر و عمل نہ رہا جس نے بلال حبشی رض کو سرداران قریش کا ہم رنگ (ہم مرتبہ) بنا دیا تھا۔" [۱۰۷]

مگر صدیوں کی ملوکیت نے جمہوریت کے اس تصور کو دھندلا کر رکھ دیا ہے۔ لہٰذا آج سب سے بڑی ضرورت اسلام کی ہیئت حاکمہ کے تصور کا اجاگر کیا جانا ہے اور اس کے خطوط کو متعین کرنے کی کوشش ہونی چاہیے تاکہ عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق پائیدار خطوط پر اسلامی ریاستوں کو انقلابی اور ترقی پسندانہ ریاستیں بنانے کی طرف راہنمائی دی جا سکے۔ اور ملوکیت کے عہد میں جو ضرر اسلام کو پہنچ پایا ہے اس کی تلافی بھی ہو سکے کیونکہ ملوکیت کا عہد ایک ایسا بھیانک عہد ہے کہ اس نے اسلامی تعلیمات کا سارا حسن نوچ لیا تھا۔

"ملت اسلامیہ میں اس وقت تک سے آج تک جو بے عنان سلطانی اور شہنشاہی کا دور چلا اس کو تھامنا ایسا ہی محال ہو گیا ہے جیسے کوئی شخص سیلاب کو ہاتھوں سے روکنے کی کوشش کرے۔ مسلمان تیرہ صدیوں میں غلامی کو منسوخ نہ کر سکے۔ نظام سلطانی کے خلاف کبھی کوئی تحریک پیدا نہ ہوئی۔ مفتوحہ ممالک میں بڑی بڑی جاگیرداریاں پیدا ہو گئیں۔ علماء کی زیادہ تعداد یا ظاہری عبادات میں یا معاملات کے بارے میں فقہی اختلافات میں الجھی رہی اور ان علماء کا کام جو سلطنت سے وابستہ تھے، یہی رہ گیا کہ سلاطین کے ہر فعل قبیح کے جواز کے لیے سند تلاش کریں۔" [۱۰۸]

جمود کی اس روش کو ختم کرنے کے لیے دور جدید میں مسلمانوں نے خاطر خواہ کوششیں کی ہیں اور انہوں نے مسلم ریاستوں میں ہیئت حاکمہ کے تصور کو خلافت اور اس میں موجود جمہوری رجحانات کی بنا پر اسے جدید جمہوری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی کوششیں کی ہیں جس کی بنا پر مسلم ریاستوں پر مسلط ملوکیت آمریت یا نیم آمریت یا نمائشی جمہوریت کے خلاف عام مسلمانوں میں بھی ردعمل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا آغاز ہو گیا ہے اور یہ ناممکن نہیں کہ مسلمان سچی اسلامی جمہوریت کو اپنے ہاں رائج کر سکیں گے چنانچہ آج کا تقاضا یہ ہے کہ اسلامی جمہوریت کا تصور واضح کیا جائے۔ جس کے حوالے سے ہم عہد جدید میں مسلم ریاست کی جمہوری اسلامی ہیت حاکمہ میں صورت گری کر سکیں چنانچہ اسلامی ریاست اپنی سیاسی ہیت حاکمہ کی تشکیل جس اصول پر کرتی ہے۔ اس میں ایک طرف اقتدار اعلیٰ خدا اور اُس کے رسولؐ کے پاس ہوتا ہے اور دوسری طرف اس اقتدار اعلیٰ کو عملی طور پر عوام خدا کی کتاب اور رسولؐ کی سنت کی روشنی میں ایک امانت تصور کرتے ہوئے احتساب اور جواب دہی کے کامل احساس کے ساتھ برتتے ہیں اور آپس میں اصولِ مشاورت سے کتاب و سنت کی روشنی میں اپنے مسائل اور معاملات چلاتے ہیں۔ چنانچہ محمد رسول اللہ نے اس اصول مشاورت کی روشنی میں ایک ایسی حکومت قائم کی جو مثال تھی۔

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی جمہوریت قائم کی جس میں حبشی اور عرب اسرا مکمل طور پر ایک جیسے ہی حقوق اور فرائض رکھتے تھے اور یہ عالمی اخوت کے اس رشتہ میں منسلک ہو کر مساوی، قانونی، عمرانی اور معاشی تعلقات میں بندھے ہوئے تھے۔" [۱۰۱]

اس اصول مشاورت[۱۰۲] پر قائم ہونے والی ہیت حاکمہ جس میں مقتدر اعلیٰ خدا اور اس کا رسول صلعم ہو۔ ایک ایسی جمہوریت کی تشکیل کرتی ہے جس میں نظری اور عملی دونوں لحاظ سے انسان اپنے حقوق میں مساوات کے رشتے میں بندھے ہوئے ہیں وہ ریاست، علاقائیت نسل پرستی، سیاسی یا مذہبی گروپ بندی کے تعصبات سے آزاد ہے۔ بشیر احمد ڈار لکھتا ہے:

"اپنے منشور کے اعتبار سے اسلامی ریاست عالمگیریت اور اجتماعیت کی حامل ہے۔ اسلامی ریاست کی حدود محدود نہیں جن میں کہ وہ اپنے قانون کو لاگو کرے اور پُرامن ماحول کے مقاصد کے حصول کے لیے حکم نافذ کرے۔" [۱۰۳]

اسلامی جمہوریت میں اصول مشاورت کی بنا پر جس سیاسی ہیت حاکمہ کی اساس اٹھتی ہے اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو مملکت کے نظام کا بیول تیار ہوتا ہے وہ شورائی ہے یہ شورائیت جو شکل چاہے عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق اختیار کر سکتی ہے۔ صدارتی بھی اور پارلیمانی بھی۔ مگر اس میں اصول مشاورت کو بنیادی حیثیت حاصل ہوگی اور اس میں حاکمیت یا اقتدار اعلیٰ صرف خدا کو حاصل ہوگا اور رسولؐ اس قانون کا شارح اول ہوگا جو خدا نے قرآن کی صورت میں دیا ہے۔ چنانچہ

"اسلامی جمہوریت۔ جب شورائی لائحہ عمل کو اپنائے گی تو اس کے فکر و اجتہاد کے دائرے نصوص شریعت کے دائروں سے منصادم نہیں ہوں گے۔" [۱۱۴]

مگر اسلام میں شاہی اور امرائی حکومت کا جواز نہیں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ہی اسلام کی حکومت اشرافیہ یا مولانا ابن احسن اصلاحی کے الفاظ میں اسلامی ارسٹوکریسی تھی

حال ہی میں ایک مضمون ممتاز عالم دین مولانا ابن احسن اصلاحی کا شائع ہوا جس میں انہوں نے کہا ہے کہ اسلام کا نظام حکومت اسلامی ارسٹوکریسی ہے ہم پہلے مولانا کا موقف بیان کرتے ہیں اس کے بعد ہم اس اسلامی ارسٹوکریسی کے کنفوژن کو دور کریں گے کہ حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمرؓ نے اشرافیہ کی اساس نہیں رکھی تھی اور ان کے نظام کو اشرافیہ کی حکومت سے تعبیر کرنا بہت بڑی علمی اور فکری غلطی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

"انسانی معاشرہ اپنے ارتقاء کی آخری منزل کو پہنچ کر کسی نہ کسی سیاسی نظام کا تقاضا کرتا ہے جس کے ذریعے سے اس کے جملہ قومی امور انجام پا سکیں۔ اس نظام کی بہت سی شکلیں تجویز کی گئی ہیں جن میں سے بعض عملی ہیں اور بعض محض خیالی۔ پہلی قسم کے نظام تاریخ انسانی میں ہمیشہ جاری و ساری رہے ہیں اور آج بھی عملاً موجود ہیں، جیسے بادشاہت Monarchy اور جمہوریت Democracy وغیرہ؛ جبکہ دوسری قسم کا وجود صرف سیاسی فلسفیوں، مثلاً افلاطون وغیرہ کے ہاں ملتے ہیں۔ ان کی حیثیت محض ایک خیالی جنت (Utopia) کی ہے۔ ایسا نظام بالفعل کبھی قائم نہیں ہوا۔ ہماری قطعی رائے یہ ہے کہ دیگر نظام ہائے سیاسی کے بالمقابل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صرف ارسٹوکریسی Aristocracy یعنی اعیانیت ہی ایک عقلی نظام ہے جو بالفعل دنیا میں قائم ہوتا ہے۔ ارسٹوکریسی سے مراد ایسا سیاسی نظام ہے جس کے تحت معاشرہ کے کسی نہ کسی پہلو سے ممتاز ترین اشخاص ایک سربراہِ مملکت کے زیر قیادت کاروبارِ حکومت کے لیے معتمد و معتمد بناتے جاتے ہیں۔

دنیا میں کوئی سیاسی نظام بھی اپنے کامل معنوں میں مطلق بادشاہت یا صحیح جمہوریت یا کٹر مذہبی حکومت Theocracy کی شکل میں نہ کبھی قائم ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان نظاموں کے کچھ نہ کچھ نقوش ضرور موجود رہے ہیں۔ جہاں تک مطلق بادشاہت کا تعلق ہے۔ ماضی میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں، جیسے فراعنہ مصر اور ملکہ سبا کی حکومتیں۔ لیکن قدیم تاریخ کے مستند ترین ریکارڈ، قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نوعیت بھی اعیانی یا شوراتی تھی۔ سب حکمران کسی نہ کسی نوعیت کی اعیانیت کے سہارے زندہ اور اپنی حکومت چلاتے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی مطلق العنان حیثیت کا مالک نہیں رہا۔ یہی جمہوریت Democracy تو اس کا خواہ مخواہ دعویٰ ہی کیا جاتا ہے کہ یہ عوام کی حکومت ہے جو عوام کے ذریعے سے عوام کی بہبود کے لیے قائم ہوتی ہے۔ اپنی کامل شکل میں اس کا ظہور تا ہنوز نہیں ہوا اور انسانی فطرت میں اس کا امکان بھی نہیں ہے۔ ہمارے دور کی جن جمہوریتوں کو آپ کچھ کامیاب کہہ سکتے ہیں ان کا مزاج بھی حقیقتاً شوراتی ہی ہے۔ اسی لیے وہ زندہ بھی ہیں۔

ہمارے لیے ایک عقلی سیاسی نظام ارسٹوکریسی ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ارسٹوکریسی کی بنیاد کس چیز پر ہو گی؟ وہ کیا اساس ہو گی جس پر اعیانِ حکومت کا وجود ظہور میں آئے گا؟ آیا وہ پیدائش ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شرافت نسبی ہے، مال ہے، دیگر انسانی اوصاف ہیں یا کوئی اور چیز ؟ دوسرے لفظوں میں آپ اسے یوں کہہ سکتے ہیں کہ ارسٹوکریسی کی بنیاد ذات پات ہے، سرمایہ داری ہے، عقل و فلسفہ اور علم ہے یا کوئی اور چیز ؟ جہاں تک پہلی دو اساسات یعنی ذات پات اور سرمایہ کا تعلق ہے تو ان کی بنیاد پر وجود میں آنے والی ارسٹوکریسی ایک شیطنت ہوتی ہے۔ عقل و فلسفہ کی بنیاد پر قائم ہونے والی ارسٹوکریسی، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، ایک ایسی جنت ہے جس کی خیالی تصویر افلاطون اور ایسے ہی دوسرے فلسفیوں نے کھینچی ہے لیکن بالفعل یہ نظام کبھی قائم نہیں ہوا ہے۔

ہماری رائے میں ارسٹوکریسی یہ تقاضا کرتی ہے کہ ارسٹوکریسی یا اعنائیت کی بنیاد وہ لوگ ہونے چاہییں جو اہلِ رائے اور اہلِ عقل ہوں۔ قرآن مجید نے ان لوگوں کے لیے اہلِ استنباط ـــــ یعنی ایسے لوگ جو معاملے کی تہ کو پہنچ جانے کی صلاحیت رکھتے ہوں ـــــ کا لفظ استعمال کیا ہے:

ولو ردّوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم ط

(اور اگر یہ اس کو رسول اور اپنے اولوالامر کے سامنے پیش کرتے تو جو لوگ ان میں سے بات کی تہ کو پہنچنے والے ہیں وہ اس کو اچھی طرح سمجھ لیتے۔ (۱۱۲ - الف)۔

گویا اعیانِ حکومت ایسے اہلِ علم اور اہلِ رائے ہوں کہ جب معاملات ان کے سامنے پیش ہوں تو وہ ان کو پوری طرح سے سمجھ سکیں، شواہد کی روشنی میں نتائج اخذ کر سکیں، جن معاملات کے لیے ان کے پاس صریح قانون موجود نہ ہو تو ان کو اصل ماخذ کی مدد سے قانون کا استخراج کر کے حل کر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر سکیں۔ ہمارے نزدیک تاریخ انسانی میں حضرات ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کی حکومتیں آئیڈیل ارسٹوکریسی کی بہترین مثال ہیں۔ یہی ارسٹوکریسی بعد میں سیدنا عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمۃ کے زمانے میں قائم ہوئی۔ ان مبارک ہستیوں کے قائم کردہ سیاسی نظام کو آپ اسلامی ارسٹوکریسی بھی کہہ سکتے ہیں اور یہ بالکل صحیح اور فطری ارسٹوکریسی ہے۔ اسلامی ارسٹوکریسی کے تحت خلیفہ یا امیر کا انتخاب تو ضروری ہے کہ سب کے ووٹ سے ہو۔ البتہ سربراہ مملکت اپنی حکومت چلانے کا اعیان کے ذریعے سے اور اس کی حکومت شوراییت پر مبنی ہوگی۔

اس زمانے میں اگر اسلامی ارسٹوکریسی وجود میں آئے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے اعیان کیسے تیار ہوں گے؟ دنیا میں کوئی نظام بھی خود کار نہیں ہوتا۔ نظام بہرحال انسانوں کو چلانا ہے، اللہ تعالیٰ کو تو اس کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے حکومت کی ذمہ داری ہے کہ آدمیوں کو تیار کرے اس کے لیے حکومت کو آئینی طور پر ایسے ادارے کا اہتمام کرنا ہوگا جو قوم کے اندر ایک نظم کے تحت، بہترین اہل الرائے اور اہل استنباط کو پروان چڑھائے، ان کا انتخاب کرے اور ان کی باقاعدہ تعلیم و تربیت کا اہتمام کرے۔ اس کی حیثیت ملک کے اعلیٰ ترین سیاسی کمیشن اور اکیڈمی کی ہوگی اور بڑی حد تک ایسے ہی ہوگی جیسے سی۔ ایس۔ ایس اور پی۔ سی۔ ایس۔ کے تحت تیار کیے جانے والے لوگوں کی ہوتی ہے جس طرح امتحانات کے ذریعے سے قابل لوگ بیوروکریسی کے لیے منتخب کیے جاتے اور پھر مطلوبہ معیار کے حصول کے لیے ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جاتا ہے اسی طریقہ سے ایک نظم قائم کیا جا سکتا ہے جس کے تحت حکومت چلانے کے لیے وہ لوگ منتخب کیے جائیں جن کے اندر حکومت کا کاروبار چلانے کی صلاحیت پائی جاتی۔ ان کی تربیت کیلئے حکومت مناسب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انتظام کرے۔ اعلیٰ حکومتی عہدوں، جیسے پارلیمنٹ یا قانون ساز اداروں کی رکنیت یا وزارت کے لیے امیدوار ہر ایرا غیرا نہیں ہونا چاہیے، بلکہ ان کے انتخاب کی بنیادی اہلیت کے لیے اس اعلیٰ ترین سیاسی تربیتی ادارے کا سند یافتہ ہونا لازمی ہے۔ جس طرح سے عقل تقاضا کرتی ہے کہ غیر سند یافتہ ڈاکٹروں کو لوگوں کی صحت اور جان سے کھیلنے کا حق نہیں دیا جا سکتا، اسی طرح ایک سیاسی نظام، جس پر ایک قوم کی تمام تر فلاح و بہبود اور عروج و زوال کا دارومدار ہوتا ہے، کو ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں کھیلنے کے لیے نہیں چھوڑا جا سکتا جو کاروبارِ حکومت کی ابجد سے بھی واقف نہ ہوں۔

یہ کام مشکل ضرور ہے، لیکن ناممکن نہیں۔ اگر آپ ایک آئیڈیل اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں تو اس کا اہتمام بہرحال کرنا پڑے گا۔ اس ادارے کے قیام کے بدون اور اس کے جملہ تقاضوں کو پورا کیے بغیر اسلامی ریاست کے قیام کے صرف خواب دیکھے جا سکتے ہیں، ان کی تعبیر ممکن نہیں ہے۔" [۱۱۳]

(ترتیب: ماجد خاور)

مولانا کی اس ساری بحث کے مندرجہ ذیل نکات ہیں:

۱۔ جمہوریت محض ایک خیالی جنت ہے ایسا نظام بالفعل کبھی قائم ہوا۔ صرف اشرافیہ ہی ایسا نظام ہے جو دنیا میں قائم رہا ہے۔

۲۔ ارسٹوکریسی سے مراد ایسا سیاسی نظام ہے جس کے تحت معاشرہ کے کسی نہ کسی پہلو سے ممتاز ترین اشخاص ایک سربراہ مملکت کے زیر قیادت کاروبارِ حکومت کے لیے معتمد و مختار بنائے جاتے ہیں۔

۳۔ دنیا میں کوئی سیاسی نظام بھی اپنے کامل معنوں میں مطلق بادشاہت یا صحیح جمہوریت یا کٹر مذہبی حکومت Theocracy کی شکل میں نہ کبھی قائم ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہاں تک مطلق بادشاہت کا تعلق ہے ماضی میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں جیسے فراعنہ مصر اور ملکہ سبا کی حکومتیں لیکن قدیم تاریخ کے مستند ترین ریکارڈ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی نوعیت بھی اعیانی یا شوراتی تھی۔

۴۔ ہمارے نزدیک ایک عقلی سیاسی نظام ارسٹوکریسی ہے۔ ہماری رائے میں عقل یہ تقاضا کرتی ہے کہ ارسٹوکریسی یا اعنایتیت کی بنیاد وہ لوگ ہونے چاہئیں جو اہلِ رائے اور اہلِ عقل ہوں۔

۵۔ ہمارے نزدیک تاریخ انسانی میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ، عمر فاروق رضؓ اور عثمان غنی رضؓ کی حکومتیں آئیڈیل ارسٹوکریسی کی بہترین مثال ہیں یہی ارسٹوکریسی بعد میں سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں قائم ہوئی ان مبارک ہستیوں کے قائم کردہ سیاسی نظام کو آپ اسلامی ارسٹوکریسی بھی کہہ سکتے ہیں اور یہ بالکل صحیح اور فطری ارسٹوکریسی ہے۔

۶۔ اسلامی ارسٹوکریسی کے تحت خلیفہ یا امیر کا انتخاب تو ضروری ہے کہ سب کے ووٹ سے ہو البتہ سربراہ مملکت اپنی حکومت چلائے گا اعیان کے ذریعے سے اور اس کی حکومت شورائیت پر مبنی ہوگی۔

۷۔ ان اہلِ رائے اور اہلِ عقل کو مولانا فرماتے ہیں کہ "اعلیٰ ترین سیاسی کمیشن اور اکیڈمی کے حکومتی ادارے تیار کریں۔ جیسے سی ایس ایس اور پی۔ سی۔ ایس کے تحت تیار کیے جاتے ہیں۔ مولانا کے نزدیک جس طرح بیوروکریسی کے لیے افراد منتخب کیے جاتے ہیں اسی طرح سیاسی مشیر تیار کیے جائیں اور وہ شاید مشاورت میں بھی اپنے گریڈوں کے حساب سے ترقی پائیں گے۔

مولانا امین احسن اصلاحی کی اسلامی ارسٹوکریسی کے دو پہلو بڑے ہی مضحکہ خیز ہیں۔ ایک تو یہ کہ سربراہِ حکومت کا تو انتخاب ہو مگر مشیرانِ حکومت ٹریننگ اکادمیوں میں تیار ہوں۔ سوال یہ ہے کہ اگر مشاورت حکومت کے لیے ٹرینڈ آدمیوں کی ضرورت اس قدر ہے تو پھر سربراہ مملکت کے انتخاب کی بھی کیا ضرورت ہے ان ہی ٹرینڈ آدمیوں میں سے سینئر ترین کو کیوں نہ سربراہ مملکت بنا دیا جائے جیسے روسی پریذیڈیم میں ہوتا ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں اگر سربراہ مملکت کے لیے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انتخاب ضروری ہے تو اس کے مشیروں کے انتخاب میں کیا قباحت ہے جو قباحت سربراہ مملکت کے لیے انتخاب میں نہیں وہ قباحت مشیروں کے انتخاب میں کیسے وارد ہوگی۔ مولانا ملک پر جس سیاسی بیوروکریسی کو مسلط کرنا چاہتے ہیں اس کا حشر انہوں نے ہماری انتظامی بیوروکریسی میں نہیں دیکھا کہ سیاست میں آزاد اہل رائے کی جگہ وہ ٹرینڈ ملازم پیشہ سیاست دان لانا چاہتے ہیں پھر اس سیاسی بیوروکریسی کے پاس چونکہ کوئی قوت نافذہ نہ ہوگی تو ان کی حیثیت سوائے جی حضوریے ملازموں سے زیادہ نہ ہوگی ان میں اتنی سکت بھی نہ ہوگی کہ وہ منتخب صدر یا امیر کو اس کے کسی فعل پر روک سکیں یا اس کی مرضی کے خلاف فیصلہ دے سکیں۔ وہ اپنی کوئی بات اس منتخب صدر سے منوا نہ سکیں گے۔ یہ کوئی با قوت اہل رائے نہیں ہوں گے کہ جن کا مشورہ صدر صاحب ماننے پر مجبور ہوں گے بلکہ ان کی حیثیت اسلامی نظریاتی کونسل کے مشاورتی بورڈ سے زیادہ نہ ہوگی کہ جس کی تجویز کو صدر چاہے تو مانے اور چاہے تو نہ مانے ایسے صدر کی حیثیت ایک منتخب آمر سے زیادہ نہ ہوگی۔ جو اپنے بے پناہ اختیارات سے جب تک چاہے من مانی کرتا رہے اس اسلامی ارسٹوکریسی کے شوق میں مولانا اس مجلس شوریٰ قسم کی سیاست کو تقویت دے رہے ہیں جس کا مشاہدہ ہم ماضی قریب میں کیے گئے شعبدہ بازی جیسے شوراتی نظام میں دیکھ چکے ہیں۔ ارسٹوکریسی کے پردے میں اس آمریت کو مولانا نے اسلام کے نام پر طاقت دینے کی ضرورت اگر اس لیے محسوس کی ہے کہ مارشل لاء کے عہد میں بننے والا شوراتی نظام انہیں پسند تھا تو یہ اسلام کی کوئی خدمت نہیں کی۔

مولانا ایک طرف تو فرماتے ہیں کہ

"عقل و فلسفہ کی بنیاد پر قائم ہونے والی ارسٹوکریسی ایک ایسی جنت ہے جس کی خیالی تصویر افلاطون اور ایسے ہی دوسرے فلسفیوں نے کھینچی ہے لیکن بالفعل یہ نظام کبھی قائم نہیں ہوا ہے"

تو دوسرے ہی لمحہ فرماتے ہیں کہ

"حکومت کو آئینی طور پر ایسے ادارے کا اہتمام کرنا ہوگا جو قوم کے اندر ایک نظم کے تحت بہترین اہل الرائے اور اہل استنباط کو پروان چڑھائے"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوال یہ ہے کہ عقل و فلاسفہ کی بنیاد پر ارسٹوکریسی کا نظام بالفعل کبھی قائم نہیں ہوا تو ان کے تجویز کردہ اہل الرائے اور اہل استنباط کا نظام کیسے قائم ہو جائے گا اور مولانا کی یہ جنت اور اس کی خیالی تصویر چشم زدن میں کیسے پیدا ہو جائیگی کیا یہ ذہنیت خود ایک خیالی تصویر نہیں ہے۔ مولانا کی مراد اگر یہ ہوتی کہ سیاست کا کاروبار چلانے والے تربیت یافتہ سیاست دان ہوں تو ہم ان کی تائید کرتے اور کہتے کہ آپ ملک میں سیاسی عمل جاری کیجیے اتنی دیر میں ان کی اکادمی سے اہل الرائے اور اہل استنباط تیار نہ ہو سکیں گے جتنی کم دیر میں ایک ہموار سیاسی عمل سے عوام اور سیاستدان دونوں کی تربیت ہو جائے گی۔ کیونکہ سیاسی تربیت کی اکادمیوں کا ان کا نومن تیل کبھی جمع نہ ہو سکے گا اور نہ ان کی سیاست کی رادھا کبھی ناچ سکے گی۔ مولانا افلاطون کے عاقلوں کو یوٹوپیا قرار دیتے ہوئے خود جس یوٹوپیا کے خول میں بند ہو گئے ہیں اس سے سوائے بے لگام آمروں کو یہ درس دینے کے اور کیا مقصود ہے کہ وہ ریفرنڈم کے ذریعے ووٹ لے کر منتخب ہو جائیں اور پھر اپنی مرضی کی مجلس شوریٰ بنالیں اور جب جی چاہے ان کا مشورہ قبول کر لیں اور جب چاہے رد فرما دیں۔ صدر ضیاء کی اس شورائیت کی حمایت کا یہ ایک بھونڈا طریقہ ہے جسے خود صدر ضیاء بھی اب مسترد کر چکے ہیں۔

اب رہی بات حضرت ابوبکر صدیق رض حضرت عمر فاروق رض اور حضرت عثمان غنی رض کی حکومتوں کو آئیڈیل ارسٹوکریسی قرار دینے کی تو اس طرح کی افسوسناک مثال مولانا عبدالمالک کاندھلوی بھی قائم کر چکے ہیں جب آپ نے فرمایا کہ سب سے پہلے مارشل لاء حضرت ابوبکر صدیق رض نے لگایا۔ ہمارے علماء کی ایک اکثریت نے قیام پاکستان کے وقت اور اس کے بعد جس طرح قومی معاملات میں سیاسی ناپختگی کا ثبوت دیا ہے اور اپنی بزرجمہری سے پاکستان کے مخالفین کو اور اب جمہوریت کے مخالفین اور آمریت کے حامیوں کی مدد فرماتی ہے اس کی نظیر ان کے سوا اور کہاں ملے گی۔ ارسٹوکریسی اور اشرافیہ کی تعبیر و تفہیم میں کیا خلافت راشدہ آتی ہے۔ اگر کوئی ایسا کہتا ہے تو وہ خلافت کے مزاج سے ہی ناآشنا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد تین گروہ بن گئے تھے جو خلافت کے مدعی تھے۔ یہ تین گروہ دراصل تین مختلف الرائے سیاسی جماعتیں تھیں۔ ان میں خلافت کے بارے میں تنازعہ طے حضرت عمر رض

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے اس اعلان سے ہوا کہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیتا ہوں اور اس کے بعد سب نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ یعنی حکمران کے انتخاب کے لیے رائے لازم قرار پائی۔ یہیں سے مولانا نے بھی امیر کے انتخاب کا جواز نکالا ہے۔ اب مولانا خود جان سکتے ہیں کہ یہ صورت ایک ابتدائی اسلامی معاشرے کی تھی۔ دنیا میں پہلی بار انتخاب کو اصول حکمرانی تصور کیا گیا۔ اب یہ معاشرہ اگر ارتقا پاتا اور اموی ملوکیت برپا نہ ہوتی اور رسل و رسائل اور مواصلات پر انسانی اختیار بڑھتا تو ووٹ کی یہ اہمیت اور متشخص ہو کر سامنے آتی اور خلیفہ کے انتخاب کے ساتھ ساتھ اس کے پورے نظام کے لیے انتخاب اور ووٹ کا اصول طے پاتا۔ اب مولانا خود ہی فرمائیں کہ کس خلیفہ نے سیاسی بیوروکریسی کی تربیت کے لیے اکادمیاں وضع کی تھیں۔ سب فیضانِ نبوت کے یکساں ہی پروردہ تھے اس لحاظ سے سارے ہی برابر اور تربیت یافتہ تھے۔ کس خلیفہ نے ان کے ایما پر مجلس شوریٰ وضع کی تھی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر رضؓ مسجد نبوی میں مجلس شوریٰ سے نہیں بلکہ عام لوگوں سے اپنے فیصلوں کی توثیق کراتے تھے۔ مولانا کی سیاسی بیوروکریسی جسے آپ ارسٹوکریسی کہہ رہے ہیں کا اسلام میں کوئی جواز نہیں یہ ارسٹوکریسی یونان میں تھی جس نے سقراط کو زہر پینے پر مجبور کر دیا۔ اس لیے کہ امیر کی نامزد کردہ مجلس شوریٰ امیر کے ہاتھ میں ربڑ سٹمپ ہوتی ہے جس کو وہ جب چاہے نکالے اور جب چاہے جیب میں رکھ لے اس کی سیاسی قوت بے وقعت اور غیر مفید ہوا کرتی ہے۔

جہاں تک مولانا کا یہ فرمانا کہ جمہوریت محض ایک خیالی جنت ہے جو بطور نظام بالفعل کبھی قائم نہیں ہوئی یہ تاریخ اور جمہوریت دونوں سے عدم واقفیت کا ثبوت ہے۔ جمہوریت کا مطلب اگر یہ ہے کہ عوام کے منتخب نمائندے مجلس قانون ساز کی تشکیل کریں اور حکومت کی تبدیلی بلٹ کی بجائے بیلٹ سے ہو تو اس کی نظیر دنیا کے متعدد ممالک میں قائم ہے اور اگر جمہوریت سے مراد ان کی کوئی اپنی نرالی قسم کی جنت ہے تو وہ بالفعل تو شاید ان کے تصور اسلامی ارسٹوکریسی سے بھی قائم نہ ہو سکے گی۔ جہاں تک بادشاہوں کا تعلق ہے تو بادشاہت کا مفہوم تو یہی ہے کہ وہ موروثی طور پر انتقالِ اقتدار کا نام ہے اور بادشاہ کا فرمان قانون کا درجہ رکھتا ہے تو مولانا خود قرآن اور تاریخ سے ایسے متعدد بادشاہوں سے چہرے دیکھ سکتے ہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو ہم مقتدر رہے اور ان کی مجلس شوریٰ ان کے سامنے دم نہیں مار سکتی تھی۔ مولانا کے ذہن میں ارسٹوکریسی سے مراد اگر ٹیکنوکریٹ (اسلامی بیوروکریسی) کی حکومت ہے تو وہ البتہ کہیں نہ کہیں کبھی موجود رہی اور تاریخ کے تجربے سے تو یہی نظر آتا ہے کہ مولانا کا یہ ارسٹوکریسی کا یوٹوپیا روئے زمین پر کبھی قائم نہ ہو گا بلکہ ان کے اپنے ذہن میں ہی موجود رہے گا جیسے ماضی میں پادری، آمروں اور بادشاہوں کی اہوائے نفس کو عیسائیت کا بپتسمہ دیتے رہے ہیں۔ مولانا نے اسے اسلامی سے شوگر کوٹیڈ کیا ہے۔ ایسے شوشوں سے سوائے آمروں کی خدمت کرنے سے اگر اور کچھ حاصل نہ ہوتا ہو تو انہیں بیان نہ کرنے میں ہی انسان کو عافیت تصور کرنی چاہیے۔ کیونکہ اسلامی اشرافیہ کی اصطلاح بھی مولانا کی اپنی افتادِ طبع کا نتیجہ ہے۔ اس سے قبل کسی مسلمان عالم نے اشرافیہ پر اسلام کا لیبل نہیں لگایا۔

اسلام نے تو ایک نظریاتی جمہوریت پیش کی ہے۔ ایک ایسا نظام حکومت جو توحید کے نظریہ پر قائم ہوتا ہے توحید کے اس نظریہ پر قائم ہونے والی حکومتوں کا مفہوم یہ ہے کہ خدا کائنات کی واحد روحانی حقیقت ہے اور بنی نوع انسان خدا کے خلیفہ ہیں جو اس کے احکام کو زمین پر نافذ کرنے کے پابند ہیں۔ اقتدار اعلیٰ خدا کی انسانوں کے پاس امانت ہے اور تمام انسان خدا کے نائب کی حیثیت سے اس کی مرضی کو نافذ کرنے والے ہیں وہ تمام خدا کے ہاں جواب دہ ہیں لہذا انہیں ایک ایسا نظام وضع کرنا چاہیے جس میں وہ سب شریک ہو کر خدا کی نیابت کا فرض ادا کر سکیں ظاہر ہے کہ یہ حق راستے دہی اور اپنی حکومت کی خود تشکیل، اس حکومت کا احتساب اور اس کو اس کے منصب سے ہٹانا صرف جمہوریت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ لہذا

> "اسلام نے جو نظام قائم کیا وہ بھی ایک خاص انداز کی جمہوریت تھی اس کا دستور عوام کی اس رائے سے مرتب نہ ہوا تھا بلکہ از روئے وحی آسمانی خدائے علیم و حکیم کا تلقین کردہ تھا یا نبی حکیم کی سنت پر مبنی تھا۔ سیاست و معیشت کے بنیادی اصول واضح اور معین تھے۔ لیکن بدلتے ہوئے حالات میں ذیلی اور فروعی آئین مشیران خلافت کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راستے کے مطابق وضع ہوتے تھے۔ امیر خلافت مسلمانوں کی رضامندی سے منتخب ہوتا تھا۔ انتظام مملکت میں وہ اپنی صوابدید سے عمل کرتا تھا لیکن اس کے ذاتی اور حکومتی اعمال پر تمام مسلمانوں کی نگرانی تھی۔ وہ شرعی حدود کے باہر قدم نہ رکھ سکتا تھا۔" [۱۱۴]

اس جمہوریت میں

"دین اور ضمیر کے معاملے میں ہر شخص آزاد تھا غیر مسلموں کے قوانین شریعت اور طریق زندگی میں حکومت مزاحم نہ ہو سکتی تھی۔ رعایا کا غریب سے غریب فرد امیر المومنین پر نالش کر سکتا تھا اور عدالت میں اسے جواب دہی پر مجبور کر سکتا تھا۔" [۱۱۵]

یہ حکومت عدل و انصاف سے پُر تھی اور اس میں کوئی بھی مراعات یافتہ طبقہ نہ تھا۔ بلا رنگ و نسل انصاف کے تقاضوں سے بہرہ ور تھا۔ اور یہ مساوات اور انصاف معاشی، سیاسی، اخلاقی اور معاشرتی غرضیکہ زندگی کے ہر شعبے میں پایا جاتا تھا اور حکومت عوام کی خبر گیری، فلاح اور خیر خواہی کے اصول پر ترتیب پاتی تھی۔

"اس جمہوریت میں حکمرانوں کا کوئی طبقہ نہ تھا۔ ہر طرح کی آزادی نصیب تھی مملکت رفاہی مملکت تھی۔ جس کے اندر عمر فاروقؓ جیسا جبل القدر انسان راتوں کو گشت کر کے دیکھتا تھا کہ کہیں ظلم تو نہیں ہو رہا ہے یا کسی غریب کے گھر میں فاقہ تو نہیں۔ اگر کوئی غریب گھرانہ نان شبینہ کا محتاج دکھائی دیتا تو بیت المال سے اپنی پیٹھ پر لاد کر سامان خورد و نوش معذرت کے ساتھ وہاں پہنچا دیا۔ اگر کسی امیر یا گورنر نے کسی غریب ذمی پر بھی ذرہ بھر ظلم کیا تو عمرؓ کے درے اس پر برسر عام برس گئے۔ یہ تھی سادات حقوق اور عوام کی حکومت عوام کے لیے۔" [۱۱۶]

اسلامی جمہوریت کی جو صورت بنتی ہے اس میں بڑی وسعت ہے اس لیے کہ اس میں مغربی جمہوریت کی طرح محض سیاسی جمہوریت پر ہی اصرار نہیں کیا جا سکتا بلکہ اشتراکی جمہوریت کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح معاشی جمہوریت کو بھی پوری اہمیت دی گئی ہے۔ البتہ اشتراکی جمہوریت کا سیاسی جبر اسلام میں نہیں بلکہ سیاسی جمہوریت اسلام میں برقرار ہے۔ اسی طرح معاشرتی جمہوریت بھی اسلام میں پورے طور پر موجود ہے۔ اسلام نے جس طرح کی جمہوریت بیان کی ہے اس میں جزوی جمہوریت کی بجائے کلی تصور مساوات پر کلی جمہوریت کا تصور دیا گیا ہے اور اس میں جمہوریت کے وہ تمام تصورات شامل ہیں جو کہ دور جدید میں اس میں شامل کیے گئے ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا آف فلاسفی میں جمہوریت کا اطلاق چار طرح کے تصورات پر کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ جمہوریت کے

"اصل معنی یہ ہیں کہ یہ ایک ایسی طرز حکومت ہے جس میں سیاسی فیصلوں کا حق براہِ راست مجموعی طور پر شہریوں کو حاصل ہوتا ہے۔ اور اکثریت کی حکومت کے اصول کو ضابطہ قرار دیا جاتا ہے۔ اسے براہ راست جمہوریت کہا جاتا ہے۔ دوسرے یہ ایک ایسی طرز حکومت ہے جس میں وہ سیاسی حقوق انفرادی طور پر استعمال نہیں کرتے بلکہ اسے منتخب نمائندوں کے ذریعے حل کرتے ہیں اور وہ ان کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں۔ اسے نمائندہ جمہوریت کہتے ہیں۔ تیسرے یہ ایک ایسی طرز حکومت ہے جو کہ عام طور پر نمائندہ جمہوریت ہی ہوتی ہے۔ مگر وہاں اکثریت کی قوت اور ان کا عمل ایک خاص آئینی دائرہ کار کے اندر ہوتا ہے اور آئینی طور پر ایک ایسا دائرہ کار (Framework) متعین ہوتا ہے جس کے اندر محدود طور پر تمام لوگ انفرادی اور اجتماعی حقوق سے لطف اندوز ہوں۔ یہ حقوق آزادی اظہار اور مذہب سے متعلق ہوتے ہیں اسے متوازن یا آئینی جمہوریت کہتے ہیں (Liberal) چوتھے لفظ جمہوریت کا استعمال کسی نظام کی ان سیاسی اور سماجی خصوصیات پر بھی کیا جاتا ہے جو کہ حکومت کی بہتر ان تعریفوں میں نہیں آتیں۔ مگر ان کا مقصد معاشی اور سماجی تفریقات کا خاتمہ ہوتا ہے۔ خاص طور پر وہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تفرقات جو کہ انفرادی حق ملکیت اور ان کی تقسیم سے پیدا ہوتے ہیں۔
اسے سماجی یا معاشی جمہوریت کہتے ہیں۔"[۱۱۷]

اسلام کا تصور اسلامی جمہوریت متذکرہ تمام تصورات جمہوریت پر مبنی ہے اور ان کو اپنے میں شامل کیے ہوتے ہے۔ وہ ایک کلی جمہوریت پر یقین رکھتا ہے۔ کیونکہ زندگی کے تمام پہلوؤں کو اپنے اندر سموئے بغیر مساوات اور عدل نتیجہ خیز ثمرات کے حامل نہیں ہو سکتے مثلاً مارکسیوں نے جب محض معاشی عدل کو ہی اپنے نظام کی بنیاد بنایا تو کسی قدر قومیانے سے اور معاشی منصوبہ بندی سے معاشی ترقی تو ہوئی مگر سیاسی جمہوریت کی عدم موجودگی کی بنا پر اور معاشرتی مساوات کو اور عدل کو کچلنے کی صورت میں زندگی اذیت ناک ہوتی چلی گئی اور پورا سماج گھٹن کا شکار ہو گیا اسی لیے کہ انسان محض حیوانی وجود نہیں ہے کہ معاشی ضروریات پوری کرنے کے سوا اس کی کوئی ضرورت ہی نہیں اشتراکیت نے زندگی کے دوسرے تمام پہلوؤں کو نظر انداز کر کے ایک ایسی غلطی کی کہ جو خود اشتراکیت کی موت کا سبب بن چکی ہے چنانچہ آج محض ان لوگوں کے لیے اس نعرہ میں جاذبیت ہے جو معاشی فلاکت کا شکار ہیں۔ اس لیے کہ معاشی احتیاجات کی شدت ان کے نعرہ کی قوت ہے جب یہی طبقات علم و نور سے منور ہوتے ہیں اور ان کی معاشی حالت قدرے سدھرتی ہے تو ان کا انسانی جذبہ اشتراکیت کے محض حیوانی تسکین کے جذبے کو دبانے لگتا ہے۔ اسی طرح ہندوؤں میں معاشرتی جمہوریت قطعاً نہیں اسلام اور مغربی تہذیب کے اثرات نے انہیں نیا وژن تو بخشا ہے مگر وہ ابھی تک ان تصورات کو ہضم نہیں کر پائے اور آج بھی وہاں معاشی، سیاسی اور معاشرتی مساوات کس مپرسی کی حالت میں ہے۔ اس طرح مغربی تہذیب کے نظام جمہوری میں سیاسی جمہوریت پر زور ہے۔ معاشی مساوات کو معاشی سیکٹر میں آزادانہ مسابقت کی بھینٹ چڑھا دیا گیا ہے اسی طرح وہاں معاشرتی جمہوریت بھی مفقود ہے۔ گورے اور کالے کو معاشرتی طور پر ایک درجہ حاصل نہیں ہے۔ متذکرہ مباحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مغرب کے تمام نظامات محض جزوی طور پر ہی جمہوری ہیں اور وہ جمہوریت کا کلی تصور اپنانے سے عاجز رہے ہیں جبکہ اسلام اپنے جمہوریت کے نظام میں کلی مساوات کا حامل ہے۔ خلیفہ

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکیم اسلامی جمہوریت کے اساسی اصولوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس کے نزدیک چند بنیادی اصول یہ ہیں۔ یہ اصول اسلام کے نظریہ حیات میں صفحہ ۲۲ پر ہیں جبکہ "پیغمبر اور ان کا پیغام" میں ۱۴ اصول بیان کیے گئے ہیں۔ ذیل میں ہم ان دونوں سے اہم اصول منتخب کر کے پیش کرتے ہیں۔ اسلامی جمہوریت میں

۱۔ "اقتدارِ اعلیٰ خدا کے پاس ہے جس کے بنیادی خواص میں عقل، محبت اور عدل شامل ہیں اور یہ اس کی خواہش ہے کہ انسان اپنے افکارات الفاظات اور اعمالات میں اس کے خواص کے مظہر ہوں۔

۲۔ "اگرچہ بالآخر خدا ہی تمام مقاصد کا تعین کنندہ ہے مگر اس نے انسان کو آزادیٔ ارادہ عطا کی ہے تاکہ وہ اپنی یہ آزادیٔ ارادہ خدا کی مرضی اور منشا کے مطابق استعمال کرے۔" [۱۱۸]

۳۔ "ایمان کے معاملہ میں خدا نے کسی شخص پر جبر نہیں کیا بلکہ صداقت اور کذابت کا راستہ واضح طور پر بیان کر دیا ہے ہر شخص آزاد ہے کہ وہ چاہے تو اس پر ایمان رکھے اور چاہے ایمان نہ رکھے مگر اس کے نتائج اسے بھگتنا ہوں گے۔" [۱۱۹]

۴۔ "اسلامی ریاست تھیاکریسی نہیں ہوتی بلکہ وہ نظریاتی ہوتی ہے اس ریاست میں شہریوں کے حقوق و فرائض کا تعین اس بنیاد پر ہوتا ہے کہ وہ کس طرح اسلامی نظریہ کے ساتھ ان حقوق و فرائض کے ذریعے ہم آہنگ ہو سکتے ہیں۔" [۱۲۰]

مسلم مملکت ایک اجتماعی جمہوریت ہو گی اسلام میں شاہیت کا کوئی مقام نہیں اور نہ موروثی جانشینی کو کسی قسم کی تائید حاصل ہے یہ ایک مذہبی عمومیت ہو گی لیکن اس میں کوئی ملائیت یا کلیساتی نظام نہ ہو گا۔ یہ صرف اس مفہوم میں دینی حکومت ہو گی کہ یہ اپنا اقتدار خدا سے حاصل کرتی ہے۔ خدا عالم گیر اجتماعی عدل کی ایک علامت ہو گا۔ اسلام کی ہیت حاکمہ میں معاشی ترکیب، اسلام کی معاشی جمہوریت کی اسلامی ریاست میں صورت نہ تو سرمایہ دارانہ ہو گی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور خالصتاً اشتراکی معیشت کی ہوگی بلکہ اس کا تعین اسلامی معیشت کے اصولوں کے تحت ہوگا اور اس میں عصری تقاضوں کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے گا بلکہ اسلامی اصول کی فلاسفی پر ان حالات کی تدوین ہوگی چنانچہ حکیم کی نظر میں اسلامی ریاست میں قوم کی معاشیات کا انضباط اس طرح پر ہوگا کہ سرمایہ داری اور غیر کماتی ہوئی آمدنی پر زندگی بسر کرنے کی حوصلہ افزائی نہیں کی جائے گی۔

"قانون کلانیت، جس کی رو سے خلف اکبر تمام جائیداد کا وارث قرار پاتا ہے۔ برخاست کر دیا جائے گا۔ سرمایہ پر محصول وصول کرنا لازمی ہوگا تاکہ اس کی گردش موقوف نہ ہو یا یہ جمع نہ ہوتا رہے۔ یہ اصول معاشرہ کو بتدریج ایک سطح پر لاتا ہے یہ محصول اس لیے لیا جائے گا جو مال دار ہیں اور ان پر خرچ کیا جائے گا جو نادار ہیں۔ تجارت کی آزادی ہوگی لیکن شرط بازی کی ممانعت اور نفع بازی کے لیے اشیائے تجارت کا احتکار غیر آئینی سمجھا جائے گا۔ مال و دولت کی معاشرہ میں ریل پیل ہوگی۔ مشترک خاندانی نظام میں جائیداد کو غیر منقسم رکھنا خلاف قانون ہوگا۔ صاحب املاک کے انتقال پر اس کی جائیداد قریبی رشتہ داروں میں تقسیم ہوگی تاکہ سرمایہ معاشرہ میں پھیلے اور اس کے فوائد سے زیادہ سے زیادہ لوگ متمتع ہوں۔" [۱۲۱]

"ہر شخص کمانے کے لیے حلال ذرائع سے آزاد ہوگا مگر استحصال اور فراڈ کی اجازت نہ ہوگی۔ ایک خاص حد تک ہی دولت رکھنے کی اجازت ہوگی اور سرمایہ پر ٹیکس ہوگا۔ اسلامی جمہوریت کا یہ کنٹرول زر ایک بنیادی معاشی اصول ہوگا۔" [۱۲۲]

"معاشی استحصال کی تمام صورتوں کو ختم کرنا اور ارتکاز دولت کو روکنا اسلامی ریاست کا فریضہ ہے۔" [۱۲۳]

جمہوریت کا بہاستون شورائیت ہے، دوسرا عدلیہ اور تیسرا مقننہ اسلامی ریاست میں مقننہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی صورت یوں ہوگی کہ

"اسلامی مملکت مقررہ قاعدوں کی متابعت کرے گی یہ نظام ظاہر و آشکارا ہے۔ سربمہر اور سربستہ نہیں۔ مسلمان وقت کے تقاضوں کے لحاظ سے قانون سازی میں آزاد ہیں۔ لیکن کوئی قانون اساسی دستور کو توڑ نہیں سکتا۔ وہی اشخاص قانون وضوابط کی تدوین کے مجاز ہیں جو اسلام کی روح اور معاشرتی عدل کے اصول کو بخوبی سمجھ سکتے ہوں مملکت میں علماء قوانین کی تشریح اور نظر ثانی کو جاری رکھیں گے۔ (ف) حکمران کے لیے یہ لابدی ہے کہ وہ مشاورتی کونسل رکھے اور اکثریت کے فیصلوں کو اپنائے۔ ان کا انتخاب ذہانت، علم وعقل تجربہ یک جہتی کی بنیاد پر ہوگا ان کے انتخاب کا انحصار کسی مخصوص سماج اور عہد کے مخصوص حالات پر ہوگا مگر اس کی بنیاد ایمان ہوگا۔ غیر مسلم اس کے رکن نہیں ہو سکتے۔" [۱۲۴]

"صدر جمہوریت کے انتخاب کے لیے کوئی طریقہ مقرر نہیں کیا گیا فہرست اسماء میں سے صدر کے انتخاب کی سفارش کی جا سکتی ہے مگر قوم کی توثیق کے بغیر کسی جانشین کو نامزد کرنے کی اجازت نہیں آنحضرت اور خلفائے راشدین کے طریق عمل سے یہ اصول منضبط کیے گئے ہیں۔ ہر شخص کو امیدوار بننے اور رائے دینے کا حق حاصل ہے بشرطیکہ وہ دماغی اور اخلاقی حالت کی صحت کی بنیادی شرائط پوری کرتا ہو۔ ہر باشندہ ملک صدر حکومت کے کسی فعل پر باز پرس کر سکتا ہے اور اس کا یہ فرض ہوگا کہ اپنے فعل کو حق بجانب ثابت کرے۔" [۱۲۵]

"اسلامی ریاست منارکی ریاست نہیں ہوگی یہ لازمی طور پر عوامی جمہوری ہو گی۔ جس کا صدر آزادانہ ووٹ کے ذریعے اپنے کردار اور اہلیت کی بنا پر معاشرہ میں منتخب ہوگا۔" [۱۲۶]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی مملکت میں نظامِ جمہوریت کا تیسرا بنیادی رکن آزاد عدلیہ ہے چنانچہ

"عدلیہ انتظامیہ سے آزاد ہوگی۔"[۱۲۷]

"اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہلِ امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان حکم کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔" (النساء ۵۸)

"اور کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم عدل نہ کرو، یہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔" (المائدہ ۸)

"اسلامی تصورِ عدل کسی حال میں بھی انتظامیہ کو یہ اختیارات دینے کا روادار نہیں ہے کہ وہ معروف عدالتی کارروائی کے بغیر لوں ہی جس کو چاہیں پکڑیں، جسے چاہیں قید کر دیں جسے چاہیں خارج البلد کریں جس کی چاہیں زبان بندی کریں اور جسے چاہیں اظہار رائے کے وسائل سے محروم کر دیں۔ اس طرح کے اختیارات جو ریاست اپنی انتظامیہ کو دیتی ہے وہ اسلامی ریاست ہرگز نہیں ہو سکتی۔"[۱۲۸]

حکم بین الناس میں عدل برتنے کا ایک دوسرا مفہوم بھی ہم کو اسلام کی مستند روایات سے معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ

"اسلام میں صدرِ ریاست اور گورنروں اور اعلیٰ حکام اور عامۃ الناس سب کے لیے ایک ہی قانون اور ایک ہی نظامِ عدالت ہے کسی کے لیے کوئی قانونی امتیاز نہیں ہے، کسی کے لیے خاص عدالتیں نہیں ہیں۔ اور نہ ہی کوئی قانون کی پکڑ سے مستثنیٰ ہے۔"[۱۲۹]

"قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب کے لیے مساوات کے مواقع موجود ہیں۔ قانون مسلم اور غیر مسلم میں بھی امتیاز نہیں رکھتا۔ ریاست کا ہر شہری عدالتی انصاف کا مستحق ہے۔ غیر مسلم مملکت کی پُر امن اور وفادار رعایا بن جائیں تو انہیں مذہبی اعتقاد کی کامل آزادی عطا کی جائے ایک قلیل اور واجبی ٹیکس کے عوض، جو وہ اپنی حفاظت کے لیے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مملکت کو ادا کریں گے۔ قانون کی نظر میں ان کو مساوات کی ضمانت دی جائے گی۔" [۱۳۰]

"تمام باشندوں کی فلاح و بہبود مملکت کا اصل مقصد ہے۔ یہ محض انتظامی مملکت نہ ہوگی۔ جس کے فرائض نظم و ضبط کے حامل ہوتے ہی ختم ہو جاتیں گے۔ اسلامی مملکت دراصل فلاح و بہبود عامہ کی حکومت ہے۔" [۱۳۱]

"قانون کے تحت عورت اور مرد یکساں بنیادی حقوق سے مستفید ہوں گے عورت کو اپنے نام پر املاک و جائیداد رکھنے کی اجازت ہوگی۔ نکاح ایک معاہدہ کی نوعیت رکھے گا۔ جس میں کسی قسم کے بھی شرائط داخل کیے جاسکیں گے۔ بشرطیکہ وہ خلاف اخلاق اور خلاف آئین نہ ہوں۔" [۱۳۲]

"عورتیں مردوں کے مساوی معاشی حقوق کی حامل ہوں گی ان کی موروثی اور ذاتی دولت ان کی ذاتی ہی ہوگی اور وہ اسے اپنی مرضی سے صرف کر سکیں گی۔" [۱۳۳]

"بین الاقوامی صلح و امن کے لیے تمام مساعی کی جائیں گی۔۔۔۔۔۔ دو جماعتوں میں سخت تنازعہ ہو جائے تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ درمیان میں پڑ کر صلح و آشتی کی پوری کوشش کرے۔ اگر ان مساوی کوششوں کے بعد بھی کوئی جماعت ظلم و زیادتی یا اشتعال پر اڑی رہے تو مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ مظلوم کی حمایت کریں اور اپنی متحدہ قوت سے ظالم کو مغلوب کریں۔" [۱۳۴]

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ اس میں ہیئت حاکمہ میں یا اسلامی ریاست کے اندر اقتدار اعلیٰ کا سزاوار محض خدا ہے۔ خدا کے مقتدر اعلیٰ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خدا اور اس کی کتاب قرآن کو ماخذ قانون مانا جاتے اور نبی اکرم صلعم کو اس کے شارح اول کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتے۔ اس طرح اسلامی ریاست میں جمہوریت کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ باشندگان اسلامی ریاست محض خدا اور اس کے رسول کے عطا کردہ اقتدار اور اختیار کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنی مرضی سے نہیں بلکہ خدا کی مرضی سے چلانے کے پابند ہیں۔ اس طرح اسلامی جمہوریت مغربی جمہوریت کی طرح مادر پدر آزاد ہیئت حاکمہ بننے کی بجائے ایک منضبط اور مربوط ہیئت حاکمہ بنتی ہے جس میں کہ قانون کو بے لگام انسانی خواہشات کے حوالے کرنے کی بجائے ایک مستقل قدر حیات کے تحت منظم کیا گیا ہے اور جب اس مقتدر اعلیٰ کی طرف سے اس نظام سیاسی کے چلانے والوں کی سیرت و کردار کے بارے میں دی گئی واضح ہدایات پر عمل کیا جائے تو اقبال کا اعتراض بھی ختم ہو جاتا ہے کہ جمہوریت میں بندوں کو گنا جاتا ہے تولا نہیں جاتا۔ اسلامی ریاست میں کسی فرد یا جماعت کو عوام الناس کا نمائندہ انتخاب کرتے ہوئے انہیں اسلامی سیرت و کردار کے معیار پر تولتے بھی ہیں۔

اسلام نے ہیئت حاکمہ کی کوئی خاص صورت متعین نہیں کی بلکہ اسے ہر عہد کے مزاج اور حالات پر چھوڑا ہے۔ دور جدید میں سقراط کے مرد عاقل یا اقبال کے مشورہ کے مطابق کسی مرد مومن یا عاقل و مجاہد درویش منش مرد مومن کی اس طرز جمہوری سے بھاگ کر غلامی اختیار کرنا عصر جدید کے تقاضوں سے نظریں چرانے اور اسلامی تعلیمات کے مطابق اجتہادی قوت سے کسی نئی ہیئت حاکمہ متشکل کرنے میں عاجزی کا نتیجہ ہے۔ دور جدید میں "رضا شاہ یا مصطفیٰ کمال پاشا" یا کسی اور شخصیت میں روح شرق اپنی تجسیم کرنے کی بجائے اور شخصیات پر انحصار کرنے کے برعکس ایسے سیاسی اداروں کی تشکیل کرنی چاہیے جو کہ اسلامی تعلیمات کے مزاج اور مسلمانوں کے عصر جدید میں تقاضوں کے مطابق مسلمانوں کو سیاسی، عمرانی اور معاشی طور پر منظم کر کے پورے سماج کو ان روحانی قدروں کے حصول کے قابل بنا سکیں۔ جو کہ اسلام کی مطمع نظر ہے۔ اسلام مزاجاً فرد بت کی بجائے اجتماعیت کی طرف رجحان رکھتا ہے۔ اس لیے وہ نماز پڑھنے کی بجائے نظام صلوٰۃ کے قیام کا حکم دیتا ہے۔ دور جدید میں مسلمانوں کے مسائل کا حل اسلامی شریعت اور سیرت و کردار کی حامل شخصیات کی طرف لپکنے کی بجائے اسلامی سیرت و کردار کے حامل اداروں کے قیام کی طرف بڑھنے میں پوشیدہ ہے۔ گرچہ کسی اچھی شخصیت کا وجود کسی نظام کی کامیابی کے لیے لازم ہے مگر شخصیت فانی شے ہے اور ادارہ اس کی نسبت زیادہ پائیدار، دوسرے اگر شخصی نظام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں وہ شخصیت کسی بھی لمحہ بھی غائب ہو جائے تو وہ لمحہ قوم یا ملت کے لیے قیامت سے بھی گراں ہوتا ہے جبکہ ادارہ اچھی شخصیت کی صورت میں زیادہ متحرک ہو جاتا ہے اور شخصیت موجود نہ ہو تو وہ تب بھی شخصیت کے وجود پذیر ہونے تک متحرک اور فعال رہ کر وقتی کمی پوری کرتا رہتا ہے۔ پھر شخصیت کے لیے کسی اور شخصیت کی فوری تربیت کے ذریعے اپنے متبادل کے طور پر قائم رکھنا مشکل اور بسا اوقات ناممکن ہوتا ہے جبکہ ادارہ مختلف شخصیات کی اپنے ذریعے تربیت کرتا ہے۔ مزید یہ کہ ہمیشہ شخصیت اپنے عروج کے زمانہ میں کسی اور شخصیت کو ابھرنے نہیں دیتی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس شخصیت کے بعد پورا سماج زوال کی اور انتشار کی لپیٹ میں آتا چلا جاتا ہے۔ اگر خلافت راشدہ کے خاتمہ کے اسباب پر غور کریں تو اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس عہد میں حضرت عمرؓ کے بعد کوئی ایسی شخصیت جنم نہ لے سکی جو کہ ان کے مقابل کی ہو۔ اس لیے حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے برعکس کسی ایک فرد کو اپنا جانشین مقرر کرنے کی بجائے چھ اصحاب رسولؐ کی ایک کونسل کو جانشین مقرر کیا۔ مگر اگر عہد اسلامی کے اس دور میں ایسے اداروں کے قیام کی طرف توجہ کی جاتی جو اسلامی نظام کو مستقل طور پر چلانے کے ضامن بن سکتے تو اسلامی خلافت راشدہ اپنے مقامی کردار کے ساتھ صدیوں قائم رہ سکتی تھی چنانچہ جیسے کہ خلیفہ حکیم کا خیال ہے اور جس کی طرف ہم نے بھی زور دیا ہے مسلمانوں کے لیے

> "اس کے سوا کوئی چارہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ جمہوریت سے گریز کر کے ڈکٹیٹروں کی تلاش نہ کریں بلکہ عقل و ہمت اور ایثار سے اس جمہوری نظام میں رفتہ رفتہ ایسی اصلاحات کریں کہ اس کی خوبیوں کا پلڑا اس کے نقائص کے مقابلے میں بھاری ہو جائے۔" [۱۲۵]

خود اقبال نے بھی اپنے چھٹے خطبہ میں مسئلہ اجتہاد پر بحث کرتے ہوئے اجتہاد کا حق دورِ جدید میں کسی فرد کو عطا کرنے کی بجائے اس بات کو صائب قرار دیا کہ اجتہاد کا حق پارلیمنٹ کے پاس ہونا چاہیے گرچہ ہم بھی اجتہاد کو پارلیمنٹ کے ذریعے کیے جانے کو صائب کہتے ہیں مگر اجتہاد کے انفرادی حق کو بھی تسلیم کرتے ہیں اس لیے کہ بعض دفعہ پارلیمنٹ عوام کے مسائل پر مہر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکوت اپنے ہونٹوں پر ثبت کر لیتی ہیں اور حکمران کی مرضی پر خدا اور رسول کی مرضی کا اطلاق کرتی ہیں جبکہ پارلیمنٹ سے باہر جرأت مند علماء خدا اور رسول کا منشا ہر صعوبت اُٹھا کر بھی پورا کرتے ہیں اور صداقت کی روح کو زندہ رکھتے ہیں۔ بہرطور اقبال جب قانون سازی میں اجتہاد کے ذریعے پارلیمنٹ کو حق دیتے ہیں تو وہ عصرِ حاضر کی روح پر اپنے یقین کا اظہار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ منصب خلافت کیا کسی فرد واحد کا حق ہے ترکوں کا اجتہاد یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کی رو سے تو اس منصب کو افراد کی ایک جماعت، بلکہ کسی منتخب شدہ مجلس کے ذمے بھی کیا جا سکتا ہے۔ اب جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے ہندوستان اور مصر کے علماء نے اس مسئلے میں ابھی تک کوئی رائے ظاہر نہیں کی۔ اپنی ذاتی حیثیت سے البتہ میرا اپنا خیال ہے کہ ترکوں کا یہ نقطہ نظر سرتاسر درست ہے اتنا درست کہ اس کی تائید میں کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں رہتی اس لیے کہ ایک تو جمہوری طرز حکومت اسلام کی روح کے عین مطابق ہے۔ ثانیاً اگر ان قوتوں کا بھی لحاظ کر لیا جائے جو اس وقت عالم اسلام میں کام کر رہی ہیں تو یہ طرز حکومت ناگزیر ہو جاتا ہے۔"[۴۶]

علامہ اقبال کے اس بیان کے بعد کہ وہ خلافت پر کسی منتخب شدہ مجلس کے حق کو تسلیم کرتے ہیں اقبال پر سے معترضین کا یہ اعتراض ساقط ہو جاتا ہے کہ موصوف شخصی حکومت چاہتے تھے ایسی شخصی حکومت جو کہ مضبوط ہو اور اسلام کے ساتھ جس کا رشتہ نہایت گہرا ہو اس کے برعکس علامہ کا موقف تو یہ ہے کہ وہ پارلیمنٹ کو نہ صرف سیاسی امور میں بلکہ دینی امور میں بھی مقتدر اعلیٰ تسلیم کرتے ہیں۔

ہمارے نزدیک آج مسلمانوں کی عموماً اور پاکستانی مسلمانوں کو خصوصاً یہی رویہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ چاہے مسلمان صدارتی نظام اپنائیں اور چاہے پارلیمانی۔ یہ ان کے حالات اور مزاج پر منحصر ہے مگر اس نظام کو اپناتے ہوئے انہیں ہماری مندرجہ باتوں پر غور کرنا چاہیے جو صرف تجویز کی حیثیت رکھتی ہیں اور جو اسلامی اصول سیاسی کی روح سے قریب تر ہیں ہماری

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ریاستوں کو ایک ایسے آئین کی ضرورت ہے جس کو اسلامی اصولوں کی روشنی میں اور خدا اور رسول کو مقتدر اعلیٰ اور ماخذ قانون تسلیم کر کے وضع کیا گیا ہو اور اس آئین کو مسلمانوں کی عوامی تائید حاصل ہو جو ایک طرف فرد کو سماج کا اور دوسری طرف سماج کا فرد کو محافظ اور جزو بناتے۔ دوسرے الفاظ میں پاکستان میں ایک ایسا جمہوری نظام رائج کرنے کی ضرورت ہے جس میں اصل قوت کا منبع عوام کی بجائے خدا ہو۔ پاکستان کے عوام خدا کی اس دی ہوئی اتھارٹی کو اس کے نائب کی حیثیت سے اس کی مرضی اور منشا کے مطابق استعمال میں لائیں۔ اسلامی شورائیت کی روح کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ووٹ دینے کا ہر پاکستانی کو حق حاصل ہو۔ اب صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ووٹر پر کوئی پابندی نہ ہو اس لیے کہ اگر ووٹر کے لیے ایک پابندی رکھ دی گئی تو پھر کوئی اور آکر دوسری پابندی لگا دے گا۔ اور یوں جمہوریت محدود ہوتی چلی جائے گی تاہم پاکستان میں تعلیم کا تناسب اگر دیکھا جائے تو ووٹر کے لیے کم از کم تعلیم کی شرط مڈل یا میٹرک لگائی جا سکتی ہے تاکہ ووٹ کا ناجائز استعمال کم کیا جا سکے۔ تاہم احسن بات یہی ہے کہ ووٹر پر کوئی بھی پابندی نہ لگائی جائے اور لوگوں کو الیکشن کے ذریعے سیاسی شعور دیا جائے اور انہیں ووٹ کے درست استعمال کی تربیت دی جائے۔ مولانا اصلاحی ووٹروں اور ارکان مشاورت کے لیے جس اکادمی کی ضرورت محسوس کرتے ہیں وہ سیاسی عمل کے تواتر کے ساتھ اجرا سے پوری ہو جائے گی یہ بار بار الیکشن پارٹیوں کا ووٹروں کے پاس آنا اور اپنے منشوروں کے ذریعے ان سے ووٹ طلب کرنا عملی سیاست کی تربیت گاہ ہے اور یہ زیادہ بہتر اور مؤثر ہے جیسی تربیت گاہ مولانا اصلاحی تجویز کرتے ہیں اس کا حشر ہم نے بیوروکریسی کی صورت میں دیکھ لیا ہے اب یہ تربیت یافتہ ارسٹوکریسی اسی تربیت یافتہ ارسٹوکریسی کا تجربہ ہوگی مولانا اصلاحی کی مختلف شعبوں کی تربیت رکھنے والی ارسٹوکریسی ہماری موجودہ تربیت یافتہ بیوروکریسی سے جو مختلف شعبوں کا تجربہ رکھتی ہے کس قدر مختلف ہے پھر کیوں نہ ان کے ارشاد کے مطابق منتخب صدر مملکت اس بیوروکریسی کو ہی اپنا مشیر تصور کر لیں اب اس بیوروکریسی تربیت یافتہ ارسٹوکریسی جس کی رائے کی حیثیت محض ایک نیک ولانہ مشورہ سے زیادہ نہ ہوگی سے ایک خوفناک آمریت وجود میں نہیں آئے گی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو اور کیا ہو گا۔

ایک اور جو شرط لگائی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ ہر امیدوار چند بنیادی شرائط رکھتا ہو اور جو ان کو قبول نہ کرے یا ان پر پورا نہ اُترتا ہو اسے انتخاب لڑنے کا حق نہ دیا جائے یہ شرائط مندرجہ ذیل ہو سکتی ہیں۔

۱۔ ہر امیدوار کم از کم گریجوایٹ یعنی بی۔اے پاس ہو یا اس کے برابر کوئی تعلیمی قابلیت رکھتا ہو۔

۲۔ وہ نظریۂ پاکستان پر کامل یقین رکھتا ہو۔

۳۔ کسی اخلاقی جرم میں سزا یافتہ نہ ہو۔

۴۔ ملک کی کسی نہ کسی سیاسی پارٹی کا ٹکٹ رکھتا ہو یا وہ اپنا انفرادی طور پر منشور پیش کرے۔

اسی طرح سیاسی پارٹیوں کے لیے بھی شرائط عائد کی جا سکتی ہیں کہ وہ

۱۔ ملک کے آئین اس کی سالمیت، وفاداری اور اس کے اساسی نظریے پر یقین رکھتی ہوں۔

۲۔ ہر جماعت اپنے اندر پہلے خود جمہوری روح کے مطابق انتخابات پر عمل کرے اس کی رکنیت سازی معروف ہو۔ اخلاقی جرائم میں ملوث یا سزا یافتہ افراد کو رکنیت نہ دیں۔ اور نہ اس کو انتخابی ٹکٹ دیں۔

۳۔ تمام سیاسی جماعتیں حکومت کی رجسٹرڈ شدہ ہوں یہ رجسٹریشن منشور کی اساس پر ہو رجسٹریشن نہ کرانے والی پارٹی انتخابات میں حصہ لینے کی اہل تصور نہ کی جائے اور چار سال تک رجسٹریشن نہ کرانے والی پارٹی خلافِ قانون قرار دے دی جائے۔

۴۔ ہر سیاسی پارٹی اپنے حسابات الیکشن کمیشن کو پیش کرے اور اس سے کلیرنس حاصل کرے۔

۵۔ ہر پارٹی کو جلسے جلوس کی اجازت ہو تاہم یہ جلسے جلوس صرف انتخابات والے سال ہی میں منعقد کیے جائیں۔ پریس کانفرنسیں، چار دیواری کے اندر البتہ جلسے کرنے کی ہر وقت اجازت ہو۔ انتخابات کے سلسلے میں ایک طریق کار یہ بھی اختیار کیا جا سکتا ہے کہ انتخابات میں ووٹ پارٹی کی بنیاد پر ڈالا جائے۔ یعنی انتخابات میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امیدوار کھڑے نہ ہوں بلکہ پارٹیاں امیدوار ہوں اور پارٹیاں اپنے ووٹوں کے تناسب سے نشستیں حاصل کریں اور پھر اپنے اراکین کو حاصل شدہ نشستیں الاٹ کریں اور نا اہل امیدواروں کو تبدیل کرتی رہا کریں۔ اس کے سوا پارلیمنٹ میں پیشہ وارانہ مہارت رکھنے والے افراد کو ایک خاص تناسب سے نشستیں حاصل کریں۔ یہ پارلیمنٹ دو ایوانوں میں منقسم ہوں اور ایسی پارٹیاں جو ایک خاص حد تک ووٹ نہ حاصل کر سکیں۔ وہ یا تو دیگر پارٹیوں میں ضم ہو جائیں یا انہیں توڑ دیا جائے۔ اس سیاسی ڈھانچہ کے ساتھ ساتھ قانون کا محافظ ادارہ عدلیہ مضبوط ہونا چاہیے۔ اور اسے ہر طرح کی تحریص اور تخویف سے آزاد ہونا چاہیے۔ ججوں کا تقرر جدید قانون اور اسلامی قانون دونوں میں مہارت اور اہلیت کی بنا پر ہونا چاہیے۔ عدلیہ ججوں کا تقرر خود اپنے ضوابط کے مطابق کرے۔ قانونی امداد اور انصاف قیمتاً مہیا کرنے کی بجائے ریاست مفت فراہم کرے۔

اسلامی ریاست میں اسلامی جمہوریت محض سیاسی انصاف پر یا سیاسی مساوات پر ہی استوار نہ ہو بلکہ سیاسی مساوات کے ساتھ ساتھ معاشی مساوات کو قائم رکھنا بھی اسلامی جمہوریت کا خاصہ ہے کیونکہ اسلامی جمہوریت ایک کلی تصور پر استوار ہوتی ہے۔ اسلامی جمہوریت محض انتظامی ہیئت ہی نہیں ہوگی بلکہ اسے معاشرے کے تمام افراد کے جزوی اور کلی تمام مسائل حیات سے گہری دلچسپی ہونی چاہیے تبھی وہ معاشرے کے افراد کو معاشرے کے لیے فعال اور متحرک بنا سکتی ہے اور انہیں معاشرے میں فلاح کے لیے سرگرم کار ہونے ہونے پر آمادہ کرنے کا استحقاق رکھتی ہے اور یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آج کے عہد میں اسلامی نظام کی راہ میں جاگیر دار ملوکیت اور سرمایہ داریت ایک سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ مسلمان اس وقت تک اسلامی نظام قائم نہیں کر سکتے جب تک کہ اپنے سماجوں کو ان لعنتوں سے پاک نہ کر لیں۔ مگر اس لعنت سے نکل کر ایک دوسری لعنت اشتراکیت میں پھنسنے کی بجائے مسلمانوں کو عصر جدید کے تقاضوں کے مطابق خود اسلامی معیشت کی تدوین کرنی ہوگی۔ چنانچہ اسلامی ریاست معاشی منصوبہ بندی، محدود حق ملکیت نظام زکوٰۃ اور افراد کے روزگار اور ان کے لیے کسب حلال کے اسباب مہیا کرنے کی پابند ہے۔ روزگار کا قانونی حق ہو۔ انفرادی آزادی اور پیشہ کے چناؤ کی آزادی اور دیگر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معروف آزادیوں کے احترام کی روشنی میں معاشرہ کے افراد کو سماج کے فعال رکن بنانے کے لیے اقدامات کرے۔ معیشت میں جدید تجربات کو سمویا جائے۔ یوں فرد اور سماج میں ایک انسانی رشتہ استوار کیا جائے۔ نہ فرد پر معاشرہ اور نہ معاشرے پر فرد قربان ہو۔ بلکہ ان کے تعلقات میں اعتدال اور توازن کو برقرار رکھا جائے۔ اس سے وہ معاشرتی آزادی بھی وجود پذیر ہوگی۔ جس میں انسانوں کے مابین رشتہ حقیقی مساوات پر ہوگا اور ان کا رویہ انسانی، اخلاقی اور روحانی بنیادوں پر قائم ہوگا اور اسلام کی ہیت حاکمہ یا اسلامی جمہوریت ان نتائج کی حامل ہوگی جو کہ آج کی دنیا کو صداقت اور مسرت کی تلاش اور یافت میں مدد دے سکیں گے اور دانش دونوں مل کر ایک ایسے سماج کی تخلیق کر سکیں گے جس سے انسانی عظمت کا ایک مکمل اظہار ہوگا۔

آخری بات

ہمارے ہاں جتنے بھی جمہوریت اور خلافت یا اسلامی نظام کے سلسلے میں گزشتہ پچاس سال میں مباحث ہوئے ہیں وہ مثالیت پسندانہ تجریدیت کا شکار ہیں۔ مولانا مودودی، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، مولانا محمد حنیف ندوی اور چند ایک اور نام ہی ایسے ہیں جنہوں نے جمہوریت کے مغربی تصور کو رد کرتے ہوئے بھی مغربی جمہوریت کی بنیادی روح کو اسلام سے کسی قدر ہم آہنگ قرار دیا۔ جس طرح علامہ نے مغربی تہذیب کو آج کے انسان کی روحانی ترقی میں زبردست رکاوٹ قرار دینے کے باوصف بھی مغربی تہذیب کی مرئیت کے بارے میں استقرائی اپروچ اور مذہبی تجربات کو بھی فکر سے مملو قرار دیا۔ تاہم بے شمار لوگوں نے مغربی جمہوریت کے پردے میں اسلام کے نظام شورائیت کو جو جمہوریت کی ہی ایک ابتدائی شکل ہے اس انداز سے رد کیا ہے کہ اس سے ملک میں آمریتوں کو استحکام ملا ہے اور عوام کی جمہوری اور اسلامی امنگوں کو دھچکا لگا ہے۔ جس سے یہ تاثر دیا گیا ہے کہ اسلام آمریت کو پسند کرتا ہے۔ ہر آمر نے اپنے اقتدار کے استحکام کے لیے یہ نعرہ لگایا کہ اسلام تو مغربی جمہوریت کو رد کرتا ہے جس کا مطلب انہوں نے یہ نکالا کہ اسلام کا جمہوریت کو رد کرنا ان کی آمریت کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا جواز ہے۔ ایسے لوگوں کی بھی کھیپ ایسے ادوار میں پیدا ہوتی جنہوں نے اسلامی تاریخ سے آمریتوں کی حمایت میں دلائل فراہم کیے یہاں تک کہ ایک معروف عالم دین نے تو فرمایا کہ "سب سے پہلا مارشل لاء حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے لگایا تھا۔"[۱۳۷]

یوں اس ملک میں مارشل لاء کی حمایت کی گئی پھر شوریٰ کے بارے میں کہا گیا کہ اس کا کام تو محض مشورہ دینا ہے۔ حاکم یا آمر چاہے تو اسے قبول کرے، چاہے تو اسے رد کر دے شوریٰ نامزد کی گئی اور اسے صرف ایک مشاورتی بورڈ بنا کر اسلامی نظام بزعم خویش نافذ کر دیا گیا۔ مگر عوام کے زبردست دباؤ سے بالآخر بادل نخواستہ قدم اُٹھتے چلے گئے اور پھر یہ صورتحال ہوتی کہ ایک محدود جمہوریت کسی نہ کسی صورت بحال ہو گئی۔ خدا کرے کہ پاکستان اسلامی دنیا کا تمام بحرانوں سے گزرنے کے باوجود پہلا صحیح جمہوری ملک رہے اور دوسرے اسلامی ممالک بھی اس کی تقلید کریں۔ ہمیں امید ہے کہ اگر محدود جمہوریت کے ساتھ بھی ملک صحیح سمت میں چل پڑے تو ایک مکمل اسلامی یا اقبال کے الفاظ میں صحیح روحانی جمہوریت بحال ہو سکے گی تاہم اس مقام پر جمہوریت کے لیے جو لوازم بتائے گئے ہیں وہ جمہوریت کے مقاصد بھی ہیں اور ان کو بروئے کار لانا اور پیش نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔

یہاں میں جس چیز پر زور دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ مکمل اسلامی روحانی جمہوریت، بٹن دباتے ہی وجود میں نہیں آسکتی۔ اس کے جو لوازم بیان کیے گئے ہیں، ایک مثالی جمہوریت کے قیام کے لیے وہ عمل میں لائے جانے ضروری ہیں جوں جوں لوگوں میں تعلیم فروغ پاتے گی، ان کی اقتصادی حالت بہتر ہو گی اور ان کی سیاسی اور اخلاقی تربیت ہوتی چلی جائے گی۔ ملک میں جمہوریت کو بھی استحکام ترقی اور فروغ نصیب ہو گا اور معاشرہ خوشحالی کی طرف بڑھے گا لہذا مثالیت پسندی اور تصوریت پسندی کے حصار سے نکل کر ملک کے وسائل اور مسائل کو اطلاقی اور عملی نقطہ نظر سے دیکھنا چاہیے اور اسلام کے مثالی نظام حکومت روحانی جمہوریت کی طرف قدم اٹھانے چاہئیں۔ ملک میں بالغ رائے دہی کی بنیاد پر عام انتخابات کے ذریعے اسمبلیاں وجود میں لانے کا عمل قائم رہنا چاہیے۔ آمروں اور سیاسی طالع آزماؤں کے عزائم کو پھلنے پھولنے کے مواقع ختم کیے جانے چاہئیں اور قومی تنازعات

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں سپریم کورٹ سے رجوع کرنا چاہیے اور عدلیہ کو اتنا بااختیار کیا جانا چاہیے کہ وہ حکمرانوں کی تخویف و تحریص سے آزاد رہ کر قومی مفاد میں فیصلے کریں نہ کہ نظریاتِ ضرورت ایسے فلسفے گھڑ کر آمروں کی گود میں قوموں کا مقدر ڈال دیا کریں اور اگر ضرورت پڑے تو ملک کا صدر عوام سے کسی مسئلے پر ریفرنڈم بھی کرا سکتا ہے۔ چنانچہ ہم مندرجہ ذیل تجاویز پاکستان کے حالات و مسائل کے حوالے سے پیش کر رہے ہیں تاکہ ملک میں علامہ اقبال کی اسلامی روحانی جمہوریت تشکیل پا سکے۔

۱۔ جیسا کہ قراردادِ مقاصد میں بھی واضح کیا گیا اس بات کو آئین کا حصہ بنا دیا جائے کہ ملک میں اسلام کی نظریاتی روحانی جمہوریت رائج کرنا ہمارا نصب العین حیات ہے اگر کوئی آمریت یا مارشل لاء بزورِ قوت قائم کرتا ہے تو وہ آئین، ملک، خدا اور اس کے رسولؐ سے غداری کرتا ہے، اس ملک کا حاکم مطلق خدا اور رسولؐ ہیں قرآن اور سنت ملکی آئین کے بنیادی لوازمات اور ماخذات ہیں۔ مقتدرِ اعلیٰ خدا اور اس کے رسولؐ ہیں اور خدا کے خلیفۃ الارض ہونے کی حیثیت سے تمام مسلمان اس اقتدارِ اعلیٰ کے امین ہیں۔

۲۔ خدا اور اس کے نائب یعنی خلیفہ ہونے کی حیثیت سے تمام مسلمانوں پر اسلام کی روحانی جمہوریت کے نفاذ کی مشترک طور پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا اسلامی معاشرے کا مقدر متعین کرنا اجماعِ امت کا پابند ہوگا اور امت اپنے منتخب نمائندگان کے ذریعے مجلسِ شوریٰ وجود میں لائے گی۔ اس مجلسِ شوریٰ میں زندگی کے تمام شعبوں سے انتخاب کے ذریعے بھی ارکان لیے جا سکتے ہیں۔ حکومت یعنی انتظامیہ اس سے وجود میں آئے گی۔ اور اسی منتخب شوریٰ کے سامنے جواب دہ ہوگی۔ یہ شوریٰ آئین سازی میں مکمل طور پر بااختیار ہوگی۔ یہ قرآن و سنت کی تعبیرات میں اجتہادات کر سکے گی۔ اور یہ اپنے فیصلوں کے لیے عوام کے سامنے جواب دہ ہوگی۔ اور ریفرنڈم کے ذریعے عوام اس مجلسِ شوریٰ کے اجتہادات کو رد یا ترمیم کر سکیں گے۔ تاہم حکومت کی تشکیل قانون سازی اور حکومت کی برخاستگی کسی ایک ادارے، فردِ واحد یا قوت کی بجائے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملک کے مسلمان عوام کریں گے۔ ان کے مقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے عوام جماعت سازی کر سکیں گے۔ اگر دین کی تعبیر و تشریح میں مختلف الرائے فقہی مکاتب ہو سکتے ہیں تو ملک کے سیاسی مقاصد یا اسلام کے سیاسی نظام کی تشکیل میں مختلف الرائے مکاتب فکر کیوں نہیں ہو سکتے۔ وہ اپنے موقف کو بیان کرنے اور جمہوری اصولوں کے مطابق اپنا موقف منوانے کا حق رکھتے ہیں۔ خود انتخاب خلیفہ اول کے وقت مسلمان مہاجرین انصار اور شیعان علیؓ کے تین سیاسی مکاتب فکر میں منقسم ہو گئے تھے۔ اگر یہ مکاتب پروان چڑھتے تو یہ تنگ نظر مذہبی گروہوں میں منقسم ہونے کی بجائے مختلف الخیال سیاسی جماعتوں کی صورت میں آگے بڑھتے اور جس قدر وہ اپنے موقف میں اس وقت متشدد ہیں اس کے برعکس رواداری، بردباری اور تحمل سے ملکی معاملات کو چلانے کے اہل ہوتے مگر ملوکیت نے مسلمانوں کا فطری طور پر سیاسی ارتقاء روک دیا اور مسلمانوں کے زوال کی نیو رکھ دی۔

۳۔ اسلامی ریاست کے ہر شہری کو ایک مثالی مسلمان بننے میں مدد اور راہنمائی دینا ہر شہری کو مفت زیور تعلیم سے آراستہ کرنا۔ مفت انصاف فراہم کرنا اور سب سے بڑھ کر ہر شہری کو روزگار فراہم کرنا اور روزگار فراہم نہ کر سکنے کی صورت میں اس کے معاشی اخراجات کی مکمل کفالت، ریاست کا بنیادی فرض ہوگا۔ اور ہر شہری کو متذکرہ چاروں حقوق کی آئینی ضمانت حاصل ہوگی اور وہ قانون کے ذریعے یہ حقوق لے سکے گا۔

یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ بقول وائٹ ہیڈ

"جمہوری معاشرہ اس وقت تک وجود میں نہیں آتا جب تک کہ عام تعلیم سے ان کو فلسفیانہ نظر حاصل نہیں ہو جاتی۔"[۱۳۹]

۴۔ ایسے اقدامات کرنا جس سے ملک میں عمرانی، مذہبی، سیاسی اور معاشی سطح پر مراعات یافتہ طبقات کا بتدریج خاتمہ ہو ملک کے وسائل اور ذرائع تمام شہریوں میں انصاف اور مساوات کے ساتھ منقسم ہوں۔

۵۔ پوری دنیا میں جہاں مسلمان بے اختیار یا محکوم ہیں ان کے مفادات کی نگہداشت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنا، اسلامی نظام زندگی برپا کرنے میں، ان کی حصول آزادی میں مدد کرنا۔

۶ - عالم انسانیت کو دین اسلام کی دعوت دینا، دنیا بھر میں جہاں مظلوم اور محکوم ہیں ان کی ہر طرح سے مدد کرنا، عالمی امن کے قیام میں مدد کرنا، دنیا کے طالع آزماؤں اور انسانیت کے دشمنوں سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرنا انصاف پسند اقوام سے تعاون کرنا اور ظالموں کا ہاتھ روکنا۔

یہ ہیں اسلامی حکومت یا اسلامی روحانی جمہوریت کے معیارات اور آئیڈیلز جو ہمیں ہر وقت پیش نظر رکھنے چاہئیں اور جن کی علامہ اقبال نے اپنے فکر و کلام میں بار بار وضاحت کی ہے اور مسلمانوں کو جن کے حصول کے لیے بار بار متوجہ کیا ہے۔ اگر ہم ان معیارات کے حصول کی طرف آہستہ آہستہ جمہوریت کے ذریعے قدم بڑھانا شروع کر دیں تو علامہ کا وہ خواب پورا ہو سکتا ہے جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر[۱۳۹]

اور یہی ولولہ تازہ تھا جو علامہ اقبال نے لاہور سے لے کر تا خاک بخارا اور سمرقند[۱۴۰] دیا تھا۔ کہ مسلمان آزاد روحانی جمہوریتوں کے پیکر میں خود کو ڈھال کر اتحاد، حریت اور مساوات پر مبنی جدید سماجوں کی تشکیل کریں اور اسلامی تہذیب و ثقافت کا احیا کر کے نوع انسانی کے لیے توحید خدا، توحید انسانیت، امن، خوشحالی اور نیکی کے پیامبر بنیں۔

حواشی

Hakim, K.A., *Islam and Communism*,
Institute of Islamic Culture, Lahore, 1962, p. 139.

۲ - سید مودودی، اسلامی ریاست مرتبہ خورشید احمد اسلامی پبلی کیشنز لاہور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ص ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۹۶۹ء

۳۔ محمد حنیف ندوی، اساسیات اسلام، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۲۰۵

۴۔ The Encyclopedia of Philosophy, vol.2, P.177-178.

۵، ۶، ۷۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، فکر اقبال، بزم اقبال لاہور طبع چہارم جون ۱۹۶۸ء ص ۳۸۱

۸۔ ڈاکٹر تحسین فراقی، مغربی جمہوریت اہل مغرب کی نظر میں، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لاہور۔ ۱۹۸۳ء ص ۳

۹، ۱۰، ۱۱۔ ول ڈیورانٹ، داستان فلسفہ ترجمہ سید عابد علی عابد مکتبہ فرینکلن لاہور ص ۴۴

۱۲۔ ول ڈیورانٹ، نشاط فلسفہ ترجمہ ڈاکٹر محمد اجمل مکتبہ خاور لاہور ۱۹۶۶ء ص ۱۰۱

۱۳۔ Jeanjacques, *Le Contruct Social*, vol. III, CHA, PIV, p.762.

۱۴۔ رینے گینوں، نئی دنیا کا بحران مطبوعہ سہیل اکادمی لاہور۔ ص ۶۹-۷۸

(بحوالہ پروفیسر تحسین فراقی مغربی جمہوریت اہل مغرب کی نظر میں) ص ۴۵

۱۵۔ Gai Eaton, *King of the Castle*, C. 3, 4.

(بحوالہ تحسین فراقی کی کتاب جمہوریت اہل مغرب کی نظر میں۔ ص ۔ ۴۶

۱۶۔ Prof. Muhammad Munawwar, *Iqbal's Idea of Democracy*, Iqbal Review, vol,. XX VII No. 1, p.104

۱۷۔ حکیم خلیفہ، فکر اقبال، ص ۲۹۱، بزم اقبال لاہور۔

۱۸۔ حکیم خلیفہ، فکر اقبال، ص ۸۶، ۲۸۵

۱۹۔ ایضاً، ص ۲۹۱

۲۰۔ خلیفہ حکیم، فکر اقبال، بزم اقبال لاہور ص ۲۹۲

۲۱۔ ایضاً، ص ۲۹۳

۲۲۔ پروفیسر عثمان، حنیف رامے، ڈاکٹر کنیز یوسف، پروفیسر عزیز احمد، پروفیسر ذکریا اس کے لیے دیکھیں اقبال اور اسلامی سوشلزم مرتبہ محمد حنیف رامے مکتبہ البیان ۱۹۷۵ء لاہور میں ان حضرات کے مضامین۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۳۔ حکیم، فکرِ اقبال، بزمِ اقبال لاہور، ص ۲۹۴

۲۴۔ حکیم خلیفہ عبدل، فکرِ اقبال، بزمِ اقبال لاہور، ص ۲۹۶

۲۵۔ ہمایوں ادیب کی کتاب نیا سماج مکتبہ نوائے وقت لاہور ملاحظہ ہو۔

۲۶۔ حکیم، فکرِ اقبال، بزمِ اقبال، ص ۲۹۶

۲۷۔ علامہ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال اُردو، بانگ درا، ص ۲۶۲

۲۸۔ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی، پیامِ مشرق، ص ۳۰۵

۲۹۔ ایضاً، زبورِ عجم، ص ۵۵۹، ۵۶۰

۳۰۔ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو، ضربِ کلیم، ص ۶۱۰

۳۱۔ ایضاً ارمغانِ حجاز، ص ۵۶۰

۳۲۔ ایضاً ص ۶۴۹

۳۳۔ علامہ محمد اقبال کلیات اقبال (اُردو)، بانگ درا ص ۲۹۰

۳۴۔ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو، ص ۶۲۲

۳۵۔ علامہ محمد اقبال تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، ص ۲۶۸

۳۶۔ محمد اقبال، علامہ، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، ص ۲۶۸

۳۷۔ ایضاً ص ۲۶۷، ۲۶۸

۳۸۔ ایضاً ص ۲۴۵، ۲۴۶

۳۸۔الف۔ ایضاً ص ۶۰

۳۹۔ ایضاً ص ۲۴۶

۴۰۔ ایضاً ص ۲۴۲، ۲۴۳

۴۱۔ ایضاً ص ۲۷۵

۴۲۔ ایضاً ص ۲۷۵

۴۳۔ ایضاً ص ۲۷۶

۴۴۔ ایضاً ص ۲۷۶

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۵۔ ایضاً ص ۲۷۶

۴۶ ایضاً ص ۲۷۷

۴۷، ۴۸، ۴۹۔ ایضاً ص ۲۴۲، ۲۴۳

۵۰۔ محمد اقبال، کلیات اقبال (اُردو) ص ۳۳۲

۵۱۔ صاحبزادہ قمر الزماں عباسی، (مصنف و ناشر) بغداد سے بہاول پور اگست ۱۹۸۶ء ص ۱۴۳۔ ۱۴۵۔ نواب بہاول پور کے نام علامہ اقبال کا خط۔

۵۲۔ اقبال، کلیات اقبال، ص ۶۰۴

۵۳۔ ایضاً ص ۲۶۸

۵۴۔ عبدالحکیم، خلیفہ، ڈاکٹر، فکرِ اقبال، بزم اقبال لاہور، ص ۲۹۸

۵۵۔ مولانا محمد حنیف ندوی، اساسیات اسلام، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ص ۲۱۲

۵۶۔ ایضاً

۵۶۔ الف ایضاً، بانگ درا، ص ۲۶۱

۵۷۔ Dar, B.A., A Study in Iqbal's Philosophy, Ghaulam Ali & Sons, Lahore, p.276-277.

۵۸۔ دار قطنی باب الاعتصام بالکتاب

۵۹۔ حکیم۔ اسلام کا نظریۂ حیات، ص ۳۱۳۔ ترجمہ قطب الدین احمد

۶۰۔ ایضاً ص، ۳۱۴

۶۱۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی ریاست، ص ۲۹۷، مرتب: پروفیسر خورشید احمد۔

۶۲۔ بشیر احمد ڈار مرحوم۔ اے سٹڈی ان اقبال ز فلاسفی، ص، ۲۷۷

۶۳۔ مودودی، مولانا سید ابوالاعلیٰ، اسلامی ریاست، اسلامک پبلی کیشنز لاہور۔ ص، ۴۷۹، ۴۸۰۔

۶۴۔ ایضاً ص، ۴۸۰

۶۵۔ Siddiqui, M. Mazhar-ud-din, Islam and Theocracy, Institute of Islamic culture, Lahore, p.42-43.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۶۶ - محمد حنیف ندوی، اساسیات اسلام، ص، ۱۸۱
۶۷ - ایضاً ص، ۱۸۱
۶۸ - ایضاً ص، ۱۸۲
۶۹ - ایضاً ص، ۱۸۲
۷۰ - حکیم - پرافٹ اینڈ ہز میسج، ص، ۳۹۲، ۳۹۳
۷۱ - مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی ریاست، ص، ۱۲۹، ۱۳۰
۷۲ - ابوسعید بزمی، رسالہ پیغام حق بحوالہ اسلامی ریاست، ص، ۴۹۹
۷۳ - مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی ریاست، ص ۵۰۳
۷۴ - بخاری شریف، کتاب الاحکام باب ۱ مسلم کتاب الامارہ، باب، ۵
۷۵ - قرآن حکیم، سورہ النساء، ۵۸
۷۶ - ایضاً ۵۹
۷۷ - بخاری شریف
۷۸ - بخاری شریف
۷۹ - قرآن حکیم الشوریٰ - ۳۸
۸۰ - حکیم خلیفہ، فکر اقبال، بزم اقبال لاہور، ص ۲۹۸
۸۱ - حکیم، فکر اقبال بزم اقبال لاہور، ص، ۲۹۸، ۲۹۹
۸۲ - ایضاً ص، ۲۹۸
۸۳ - ندوی، محمد حنیف اساسیات اسلام، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۳ء، ص، ۲۱۳
۸۴ - ایضاً ص، ۲۱۳، ۲۱۲
۸۵ - ندوی، محمد حنیف، اساسیات اسلام، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ص، ۲۱۲
۸۶ - ایضاً ص، ۲۱۲
۸۷ - ایضاً ص، ۲۱۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۸۸ ۔ مولانا حنیف ندوی ، اساسیات اسلام ، ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور ، ص ، ۲۱۰

۸۹ ۔ ایضاً ص ۲۰۶

۹۰ ۔ مولانا حنیف ندوی ، اساسیات اسلام ، ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور ، ص ، ۲۰۹

۹۱ ۔ حکیم خلیفہ ، مقالات حکیم جلد اول ، ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور ، ص ، ۱۶۴

۹۲ ۔ سر ڈاکٹر سی ۔ آر ۔ ریڈی (پی ایچ ڈی) اپنے ایک مضمون میں اسلامی تصور مساوات کے بارے میں لکھتا ہے :

" نسلی مساوات کا مدت مدید مسئلہ اسلام کے سوا کسی مذہبی یا اخلاقی نظام سے حل نہیں ہوا ۔ صرف مسلمانوں ہی میں ہم یہ بات پاتے ہیں کہ تمام مومن خواہ وہ کسی نسل یا رنگ کے ہوں ۔ مل جل کر کھانے پینے اور شادی بیاہ کے معاملے میں کامل مساوات سے بہرہ ور ہوتے ہیں تمام دوسرے سیاسی ضابطوں اور مذاہب میں رنگ و نسل کی چٹان پر دلیل ، اخلاق اور روحانیت کے مثالی نظریات پاش پاش ہو گئے ۔"

مشہور مورخ پروفیسر ٹوئن بی لکھتا ہے :

" مسلمانوں میں نسلی شعور کا خاتمہ اسلام کے غیر معمولی کارناموں میں سے ہے اور اس عہد کی دنیا میں یہ امر واقع ہے کہ اس اسلامی وصف کی اشاعت کا شدید تقاضا موجود ہے ۔ اگرچہ تاریخ کے دفاتر یہ ظاہر کرتے نظر آتے ہیں کہ انواع انسانی کے مسلسل باہمی اختلاط اور پیدائش کے سلسلے میں نسلی شعور استثنائی شکل میں پایا جاتا تھا اور یہ کوئی دستور نہ تھا لیکن موجودہ صورت حال کے لیے مقدر ہو چکا ہے کہ نسلی شعور پیدا ہو ۔

اور وہ بھی ان لوگوں میں جنہوں نے پچھلی چار صدیوں میں متعدد جنگجو قوموں سے مقابلہ کر کے کم از کم سردست زمین کا سب سے بڑا حصہ حاصل کر لیا ہے اگرچہ بعض پہلوؤں سے انگریزی بولنے والے لوگوں کو ماضی کے حوالے سے جانچیں تو یہ انسانیت کے لیے رحمت ثابت ہوتے ہیں لیکن نسلی شعور کے خطرناک معاملے میں اس امر سے انکار

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ان کی بدقسمتی ہے۔ سمندر پار کی نئی دنیا میں انگریزی بولنے والی جن قوموں نے قدم جمائے ہیں مجموعی طور پر اچھی مثالیں نہیں نکلیں۔ انہوں نے اپنے غیر متمدن پیشروؤں کو بالعموم روند ڈالا ہے اور جہاں جنوبی افریقہ کی طرح انہوں نے غیر متمدن آبادی کو زندہ رہنے دیا ہے یا جیسا کہ شمالی امریکہ میں ہوا ہے انہوں نے دوسری جگہوں سے غیر متمدن افرادی قوت درآمد کی ہے وہاں انہوں نے ذات پات کی ہلاکت آفریں دستور کے وہ عناصر پروان چڑھائے ہیں جو کئی صدیاں بیت جانے پر ہندوستان میں بھرپور جوبن پر آتے ہیں۔ ذات پات کے نام پر ہمیں اس دستور پر اظہار افسوس کرنا آگیا ہے۔

مزید برآں علیحدگی پسندی۔۔۔ ہلاکت آفرینی اور فرقوں کو دور دور رکھنے کا متبادل طریقہ کار ہے۔ یہ ایسی پالیسی ہے جو اس فرقے کی زندگی میں داخلی افتراق کا خطرہ ٹال دیتی ہے جو اس پر عمل پیرا ہوتی ہے لیکن اس قیمت پر کہ یوں ملی جلی نسلوں اور الگ تھلگ رہنے والی نسلوں میں کچھ کم خطرناک بین الاقوامی کھچاؤ پیدا نہیں ہوتا۔ بالخصوص جب اس پالیسی کا اطلاق ان پر دیسی قوموں کے نمائندوں پر ہوتا ہے جو غیر متمدن نہیں بلکہ ہندوؤں، چینیوں اور جاپانیوں کی طرح متمدن ہوں۔ حالات تو ایسے ہیں کہ الفی کا ستارہ عروج پر ہے جو نسلی منافرت کے دعوے دار ہیں۔ اگر رنگ و نسل کے باب میں ان کا رجحان غلبہ پا گیا تو یہ عملاً عالمگیر تباہی کا موجب ہوگا۔ تاہم معاشرتی رواداری کی قوتیں جو سردست روحانی جدوجہد میں ہار جانے والی لڑاکی لڑ رہے ہیں بنی نوع آدم کے لیے زبردست اہمیت رکھتی ہیں۔ اور اگر ایسا اثر بھی بروئے کار آجائے جو نسلی شعور سے نبرد آزما ہو اور اب تک محفوظ پڑا ہو۔ اسے ترازو کے پلڑے میں ڈال دیا جاتے تو شاید یہ قوتیں دوبارہ غالب آجائیں۔۔۔۔ یہ امر قابلِ فہم ہے کہ اسلام کی روح بروقت کمک پہنچائے جس سے رواداری اور امن کے حق میں فیصلہ ہو۔" (بحوالہ مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے، تالیف، نور احمد مولوی، ترجمہ و تحشیہ رحمان مذنب، فیروز سنز لاہور، ص، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"صرف اسلام ہی تاریخ عالم میں ہمیں ایک ایسی ریاست کی تصویر دکھاتا ہے جو کہ اول تا آخر نظریاتی تھی جس نے نسلی اور جغرافیائی حدود کو درخور اعتنا نہ سمجھا اور ہر اس شخص کے لیے اس میں داخلہ کے راستے کھلے تھے جو کہ اس کے اصولوں کو صدق دل سے تسلیم کر لیتا اور وہ اپنی ذہانت کے بل پر ہر طرح کا اہم اور ذمہ دار منصب بھی حاصل کر سکتا تھا۔"

Ready Dr.sir, C.R., *Twentith Centenary Magzian*, 1943.
Dar, B.A., *A Study in Iqbal's Philosophy*, p.280.

۹۳۔ مولانا حنیف ندوی، اساسیات اسلام ص ۲۰۹۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۳ء

۹۴۔ ایضاً ص، ۲۰۹

۹۵۔ الا کلکم راعٍ و کلکم مسئولٌ عن رعیتہٖ فالامیر الذی علی الناس راعٍ وّھو مسئولٌ عن رعیتہٖ (بخاری، کتاب الاحکام باب ۱ مسلم کتاب الامارہ باب ۵)

۹۶۔ الشوریٰ ۔ ۳۸ (قرآن پاک)

۹۷۔ وامرھم شوریٰ بینھم (الشوریٰ ۔ ۳۸)

۹۸۔ قلت یا رسول اللہ الامر ینزل بنا بعدک لم ینزل فیہ قرآن ولم یسمع شئ ، قال اجمعوا العابد من امتی واجعلوہ بینکم شوریٰ ولا تقضوا بلی واحد (روح المعانی)

۹۹۔ انّ اللہ یامرکم ان تؤدّوا الامٰنٰت الیٰ اھلھا (النساء ۔ ۵۸)

۱۰۰۔ یٰاَیّھا الّذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرّسول و اولی الامر منکم" (النساء ۵۹)

۱۰۰۔الف۔ لا طاعۃ فی معصیۃ اللہ انّما الطّاعۃ فی المعروف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(بخاری و مسلم)

۱۰۱- لا تنازع الامر اهله الا ان تروا کفرا بوا حا عندکم من الله فیه برهان (بخاری و مسلم)

۱۰۲- حکیم نے اپنے مقالات میں ان مختلف النوع جمہوریتوں کی تعریف یوں کی ہے:

"سیاسی جمہوریت وہاں پائی جاتی ہے جہاں دستور مملکت عوام کی مرضی سے بنایا گیا ہو اور آزادانہ طور پر اسلام کے منتخب نمائندے ایک مجلس شوریٰ میں دستور وضع کر سکیں اور آئین و قوانین میں حسب ضرورت ردوبدل کر سکیں۔" (مقالات حکیم حصہ اول، ص، ۱۵۸۔ مرتبہ شاہد حسین رزاقی)

۱۰۳- حکیم کی نظر میں معاشی جمہوریت کی تعریف یہ ہے کہ

"معاشی جمہوریت وہاں پائی جاتی ہے جہاں دولت کی افزائش و آفرینش نے قوم کو مختلف طبقات میں تقسیم نہ کر رکھا ہو جہاں جاگیرداری اور سرمایہ داری نے قوم کی دولت کو چند افراد کے ہاتھوں میں مرتکز نہ کر دیا ہو۔

(مقالات حکیم حصہ اول ص، ۱۵۸)

۱۰۴- معاشرتی جمہوریت یہ ہے:

"معاشرتی جمہوریت وہاں ہو گی جہاں مذہب یا نسل یا زبان کے فرق و امتیاز نے برتری اور کمتری پیدا نہ کی ہو۔ اور جہاں سوسائٹی میں تمام افراد کے میل جول میں تعصبات کی دیواریں حائل نہ ہوں۔" (ایضاً۔ص، ۱۵۸)

۱۰۵- حکیم خلیفہ ، مقالات حکیم ص، ۱۵۸۔ ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور مرتب شاہد حسین رزاقی۔

۱۰۶- حکیم خلیفہ ، مقالات حکیم حصہ اول ص ۱۵۹۔ ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور۔ مرتبہ شاہد حسین رزاقی۔

۱۰۷- ملوکیت کیوں خلافت کو نگل گئی اور خلافت کیونکر ملوکیت میں بدل گئی اس کی وجوہات حکیم کے نزدیک:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) پرانی جہالت کا احیاء۔
(۲) نئے داخل اسلام ہونے والوں کی تربیت کا انتظام نہ ہونا۔
(۳) حُب، مال اور جاہ طلبی اور اقتصادی فارغ البالی۔
(۴) ملوکیت، جاگیرداریت اور
(۵) ملائیت ہیں۔ دیکھیے (اسلام اور کمیونزم) انگلش ص، ۱۷۸ تا ۱۸۳۔
نیز مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کتاب "خلافت وملوکیت" اسلامک پبلی کیشنز لاہور دیکھیے ص ۱۰۳ تا ۱۴۷ بعنوان "خلافت راشدہ سے ملوکیت تک" اور محمود احمد عباسی کی کتاب ملاحظہ ہو "خلافت معاویہ ویزید" مطبوعہ کراچی۔

۱۰۸۔ حکیم خلیفہ عبدل، مقالات حکیم حصہ اول ص، ۱۶۰۔ مرتبہ شاہد حسین رزاقی۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور۔

۱۰۹۔ Hakim, K.A., *Islam and Communism*, P.132.

۱۱۰۔ اصول مشاورت کے تحت جو حکومت تشکیل پاتی اس میں حکمران عوام کا انتخاب کرتے اور عوام حکمران کا۔ اس کی مثالیں تاریخ کے صفحات میں جگہ جگہ نظر آتی ہیں۔

"حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اپنی خلافت کی پہلی ہی تقریر میں اعلان کر دیا تھا کہ اگر میں سیدھا چلوں تو میری مدد کرو اگر ٹیڑھا ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کر دو۔ حضرت عمر رضؓ نے ایک مرتبہ جمعہ کے خطبہ میں اس رائے کا اظہار کیا کہ کسی شخص کو نکاح میں چار سو درہم سے زیادہ مہر باندھنے کی اجازت نہ دی جائے۔ ایک عورت نے انہیں وہیں ٹوک دیا کہ آپ کو ایسا حکم دینے کا حق نہیں ہے۔ قرآن ڈھیر سا مال (قنطار) مہر میں دینے کی اجازت دیتا ہے آپ اس کی حد مقرر کرنے والے کون ہوتے ہیں۔ حضرت عمر رضؓ نے فوراً اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔"
(تفسیر ابن کثیر بحوالہ ابویعلیٰ وابن المنذر، جلد اول ص، ۴۶۷)

اسی انصاف کی ایک مثال اور ملاحظہ ہو:
"ایک اور موقع پر بھرے مجمع میں حضرت سلمان فارسی رضؓ نے ان سے محاسبہ کیا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر سب کے حصے میں ایک ایک چادر آتی ہے آپ نے دو چادریں کیسے لے لیں حضرت عمرؓ نے اسی وقت اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کی شہادت پیش کر دی کہ دوسری چادر انہوں نے اپنے والد کو مستعار دی ہے۔"

(للعب الطبری، الریاض الفضرہ فی مناقب العشرہ ص، ۵۶ جلد ۲ طبع مصر)

اسلام نے شاہی کو ختم کر کے شوراتی نظام قائم کیا انسانی بنیادی حقوق تمام رعایا کے برابر قرار دینے کی بنا پر ہی ایک عام فرد خلیفہ سے پرسش کر سکتا تھا۔

"اسلام نے شاہی اور امراتی حکومت کو منسوخ کر دیا تھا اور یہ اصول مقرر کر دیا تھا کہ حکومت مسلمانوں کے مشورے سے ہونی چاہیے۔ تمام رعایا کے بنیادی حقوق مساوی تھے اس میں مسلم اور غیر مسلم کی تمیز نہ تھی۔" (فکر اقبال ص، ۲۸۲)

Dar, B.A., *A Study in Iqbal's Philosophy*, p.277. -۱۱۱

۱۱۲ - محمد حنیف ندوی۔ اساسیات اسلام ص، ۲۱۰

۱۱۲ - الف۔ القرآن۔ النساء ۔ ۴:۸۳

۱۱۳ - مولانا امین احسن اصلاحی (مدیر) تدبر (رسالہ) حلقہ تدبر قرآن۔ لاہور

۱۱۴ - حکیم، خلیفہ ، فکر اقبال، بزم اقبال لاہور ص، ۲۸۲

۱۱۵ - ایضاً

۱۱۶ - خلیفہ حکیم عبدالحق، فکر اقبال، بزم اقبال لاہور ص، ۲۸۷

The Encyclopedia of Philosophy, Vol.2, p.177-178. ۱۱۷

اسی طرح مارکیسون نے بھی مغربی جمہوریت پر بھرپور نقد و جرح کی ان کا نقطہ نظر انسائیکلوپیڈیا آف فلاسفی میں یوں ہے:

"مارکسیون کے نزدیک بورژوا جمہوریت اس وجہ سے باعث شرم ہے کہ سیاسی حقوق کے مساوی ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ سیاسی طاقت بھی مساوی ہوگی اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہاں ایسا ممکن نہیں جہاں کہ معاشی مساوات نہ ہو۔ چنانچہ یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ صرف جمہوریت اس صورت میں ہی ممکن الامر ہے۔ جبکہ معاشی مساوات ہو اور اس کے لیے معاشرے کا عدم طبقاتی ہونا لازم ہے۔" (ص ۳۴۱)

۱۱۸۔ خدا کی مرضی اور ارادہ کے مطابق انسانی عمل کی دو صورتیں ہیں۔ انفرادی اور اجتماعی۔ اسلامی جمہوریت میں مسلمان مل کر اپنی ہیت حاکمہ کے ذریعے اس کی مرضی اور منشا کو بروئے کار لاتے ہیں۔ حکیم کے خیال میں کسی بھی سماج کے ارکان کو یا کسی ریاست کے شہریوں کو مادر پدر اور غیر محدود آزادی نہیں دی جا سکتی۔ کیونکہ یہ آزادی غیر محدود طور پر بڑھتی ہوئی انارکیت پر منتج ہوتی ہے۔ حکیم یونانی جمہوریت کے حوالے سے لکھتا ہے کہ جب اس معاشرے میں غیر محدود آزادی دی گئی تو سوفسطائیوں کا گروہ منظم ہوا جبکہ آج کے دور میں لامحدود آزادی سرمایہ داریت کی شکل میں اباحت نسواں کے فطری تقاضوں اور ضروریات کی تسکین میں ابتذال کی صورت میں متشکل ہو رہی ہے۔ اس غیر محدود انفرادی آزادی کے یونانی جمہوریت میں مظاہر کے بارے میں حکیم لکھتا ہے:

"مگر جب انفرادی آزادی اپنے منتہا تک پہنچی اس نے ایک طرف تو سوفسطائیوں کو جنم دیا۔ جنہوں نے صداقت کی معروضیت اور کلیت کا انکار کیا اور انہوں نے اخلاق کی اضافیت کی تبلیغ کی اور سبق دیا کہ تمام موجود بنیادی ادارے موضوعی ہوتے ہیں۔ دوسری طرف اس نے ایک ایسی جمہوریت کی تشکیل کی جس میں حروف تہجی کے اعتبار سے جاہل لوگ عدلیہ کے فرائض سرانجام دیتے اور صلح و جنگ کا فیصلہ کرتے اور شہریوں کے اعتقادات اور سلوک پر راتے دیتے۔ اس جیوری کا کارنامہ تھا کہ اس نے تاریخ انسانی کے ایک ذہین ترین فرد کو زہر پلایا۔" (اسلام اور کمیونزم۔ ص، ۱۹۵)

www.KitaboSunnat.com

ابن خلدون دنیوی حکومت یا مغربی جمہوریت یا اشتراکی جمہوریت (تمام وہ نظام جو منبع قانون ہدایت الٰہی کو تسلیم نہیں کرتے) کے نظام حکومت پر یہ اعتراض وارد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتا ہے کہ:

"اس میں حکمران گروہ اپنی ذاتی اغراض کی بناء پر آئے دن تبدیلیاں کرتا رہتا ہے۔ خلافت اور دنیوی مملکت میں بنیادی فرق اس کے دینی نقطہ نگاہ سے وہی ہے۔ جس کی عموماً حکماتے اسلام نے یہ کہہ کر نشاندہی کی ہے کہ دنیوی مملکت کے دائرہ کار میں صرف مادی اصلاحات ہی کا شمار ہوتا ہے اور خلافت میں اس کے برعکس انسانوں کی اخلاقی و روحانی ترقی اور ارتقاء کا خیال رکھا جاتا ہے۔" (بحوالہ محمد حنیف ندوی، اساسیات اسلام ص، ۱۹۵، ۱۹۶)

۱۱۹- Hakim, K.A., *The Prophet and His Message*, p.391.

۱۲۰- مزید مباحث کے لیے دیکھیے اساسیات اسلام محمد حنیف ندوی ص ۱۸۱، اسلام اینڈ تھیاکریسی مظہر الدین صدیقی، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد (انگریزی)

۱۲۱- حکیم خلیفہ اسلام کا نظریۂ حیات۔ ترجمہ قطب الدین احمد۔ ص، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵۔

۱۲۲- Hakim, K.A., *The Prophet and His Message*, p.392.

۱۲۳- Hakim, K.A., *The Prophet and His Message*, p.392.

۱۲۳- الف۔ حکیم خلیفہ اسلام کا نظریۂ حیات، ص، ۳۱۴

۱۲۴- Hakim, K.A., *The Prophet and His Message*, p.392.

۱۲۵- حکیم خلیفہ اسلام کا نظریۂ حیات، ص، ۳۱۳

۱۲۶- Hakim, K.A., *The Prophet and His Message*, p.392.

۱۲۷- Hakim, K.A., *The Prophet and His Message*, p.392.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۲۸ - مودودی، سید ابوالاعلیٰ، اسلامی ریاست۔ اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ص، ۳۹۰۔

۱۲۹ - مودودی، سید ابوالاعلیٰ، اسلامی ریاست ہر تبہ خورشید احمد، ص، ۳۹۰۔

۱۲۹ - الف - مودودی، سید ابوالاعلیٰ، اسلامی ریاست، ص، ۳۹۰۔

۱۳۰ - Hakim, K.A., *The Prophet and His Message*, p.393.

۱۳۰ - الف - حکیم، خلیفہ، اسلام کا نظریۂ حیات۔ ص، ۳۱۱

۱۳۱ - ایضاً، ص، ۳۱۲

۱۳۲ - ایضاً، ص، ۳۱۲

۱۳۳ - Hakim, K.A., *The Prophet and His Message*, p.392.

۱۳۴ - حکیم، خلیفہ، اسلام کا نظریۂ حیات۔ ص، ۳۱۴، ۳۱۵۔

۱۳۵ - حکیم، فکرِ اقبال، بزمِ اقبال لاہور۔ ص، ۲۹۸

۱۳۶ - اقبال علامہ، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ۔ ص، ۲۴۲، ۲۴۳۔ ترجمہ سید نذیر نیازی بزم اقبال لاہور۔

۱۳۷ - مولانا محمد مالک کاندھلوی رکن مجلسِ شوریٰ نے مارشل لاء کی حمایت میں بیان دیتے ہوئے یہ "اجتہاد" فرمایا تھا جو ملک بھر کے اخبارات میں شائع ہوا، اور ہدفِ تنقید بنا۔

۱۳۸ - وائیٹ ہیڈ بحوالہ ایونگ، اے، سی، ترجمہ میر ولی الدین۔ فلسفہ کے بنیادی مسائل، نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا نئی دہلی ص، ۱۶

www.KitaboSunnat.com

۱۳۹ - محمد اقبال کلیاتِ اردو

۱۴۰ - اک ولولہ تازہ دیا میں نے دلوں کو
لاہور سے تا خاک بخارا و سمرقند
(کلیات اقبال اردو)

المکتبۃ الرحمانیۃ
۹۹۔۔۔ جے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

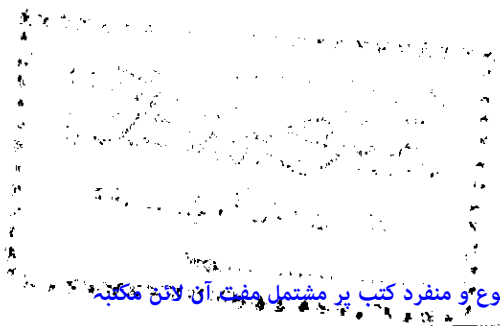

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ